ناشر

رضا اسلامک فاؤنڈیشن – دارالعلوم اہل سنت گلشن مدینہ، نیرول، نئی ممبئی

نام کتاب	:	بیسویں صدی کا عظیم مصنف
تصنیف	:	توفیق احسؔن برکاتی، (ممبئی)
کمپوزنگ	:	مولانا ارشاد نجمی و احسؔن برکاتی
اشاعت	:	بموقع عرس اعلیٰ حضرت، نومبر ۲۰۱۶ء
صفحات	:	۴۸ (اڑتالیس)
ناشر	:	رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نیرول، نئی ممبئی
قیمت	:	امام احمد رضا سے وابستگی

Book Name	:	Beesvin Sadi ka Azeem Musannif
Compiled by	:	Taufiq Ahsan Barkati
Pages	:	48
Publishing year:		November,2016
Published by	:	Raza Islamic,Fo,Navi Mumbai
Price	:	Rs.

Contact:

Taufiq Ahsan Barkati:

Masjid Gulshan e Madina 485 Shiwaji Nagar

M.I.D.C. Road Nerul Navi Mumbai.400706

E-Mail:taufiqahsan92@gmail.com

●●

مشمولات

● -پس نوشت 5
● -امام احمد رضا ایک کثیر التصانیف مصنف 6
● -فکرِ رضا کی شفافیت، عہدِ نو اور ہم 15
● -رضویات پر ہماری نکتہ چینی: چہ معنی دارد؟ 26
● -شی کے مراتب خمسہ اور امام احمد رضا 32
● -مسئلہ اسراف وتبذیر: تحقیقاتِ رضویہ کی روشنی میں 37
● -تین کتابوں پر اہل قلم کے تبصرے 44

●●

شہزادۂ امینِ ملت سید امان میاں مارہروی
کے
نام

پس نوشت

مجدد اعظم، فقیہ اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی ولادت محلّہ سوداگران، شہر بریلی میں ۱۲۷۲ھ میں اور وفات ۱۳۴۰ھ میں ہوئی – اب ۱۴۳۸ہجری کا آغاز ہو چکا ہے، جس میں ان کے انتقال کو ۹۸ برس مکمل ہو گئے ہیں اور ۱۴۴۰ھ میں امام احمد رضا صدی منائی جائے گی – ان ۹۸ برسوں میں محققین رضویات نے امام احمد رضا کے احوال و افکار پر گراں قدر تحقیقی و تاریخی کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں اور ان کی نعتیہ شاعری کا فکری و فنی جائزہ لیا گیا ہے، ان پر لکھے گئے مضامین کی تعداد ہزاروں میں ہے اور بیشمار ارباب قلم ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں جن کی فکر و قلم کا محور امام احمد رضا کی ذات رہی ہے –

راقم الحروف نے امام احمد رضا پر لکھنے کا آغاز آج سے دس سال قبل ایک مضمون سے کیا تھا، بعد میں ''خانوادۂ رضویہ کی شعری و ادبی خدمات'' پر اسّی (۸۰) صفحاتی مبسوط مقالہ لکھا، ''امام احمد رضا اور مدینہ منورہ'' کا دو ایڈیشن آیا، امام پر اٹھارہ مقالات کا مجموعہ ''فکر رضا کے جلوے'' ہند و پاک سے شائع ہوا اور اب یہ مختصر کتاب پانچ مضامین کی یکجائی سے تیار ہوئی ہے –

میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ مضامین لکھ کر کوئی بڑا تیر مار لیا ہے یا رضویات میں کوئی قابل قدر اضافہ کیا ہے، یہ سب کچھ امام کی بارگاہ میں ایک خراج عقیدت کے سوا کچھ نہیں اور مجھ جیسے مبتدی قلم کار کے لیے اتنا ہی بہت کچھ ہے – کوشش اب بھی جاری ہیں اور آئندہ بھی یہ سلسلہ باقی رہے گا، ان شاء اللہ – یہ کتاب بھی اسی زمرے میں آتی ہے، جس کے مضامین امام احمد رضا کے کارو افکار کا تجزیاتی مطالعہ ہیں، ان کے فتاویٰ و کتب سے اصلاح احوال سے متعلق کچھ کڑیاں تلاش کی گئی ہیں اور نام نہاد زرد صحافت کے علم برداروں کی گوش مالی کے ساتھ رضویات پر نکتہ چینی کرنے والوں کی خبر لی گئی ہے – امید ہے کہ باذوق قارئین پسند فرمائیں گے –

توفیق احسن برکاتی، ممبئی – (۱۶ / نومبر ۲۰۱۶ء، بدھ)

●●

امام احمد رضا ایک کثیر التصانیف مصنف

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلي و نسلم علی رسوله الكريم. اما بعد!

انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کا نصف اول پورے عالم اسلام کے لیے عموماً اور مسلمانان ہند کے لیے خصوصاً بڑے ابتلا و آزمائش اور مذہبی انقلابات کا دور تسلیم کیا گیا ہے، دنیا کی سب سے بڑی سنی اسٹیٹ سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا انگریزوں، یہودیوں اور یورپین مما لک کی پیہم سازشوں اور چیرہ دستیوں کی وجہ سے شیرازہ منتشر ہو چکا تھا، عرب مما لک افتراق و انتشار کا شکار ہو کر مختلف آزاد مملکتوں میں تقسیم ہو چکے تھے، افریقی مما لک میں اٹلی، فرانس، جرمنی اپنا نو آبادیاتی نظام مسلط کر چکے تھے، ملک ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی اور سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد برطانوی سامراج سفید و سیاہ پر قبضہ جما چکا تھا، نجد و حجاز کی مقدس سرزمین کو ۱۹ویں کے آغاز ہی میں خاک و خون میں نہلا دیا گیا تھا – ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء میں آل سعود نے طائف، مدینہ، مکہ پر ظالمانہ حملہ کیا، مقدس مقامات کی مسماری، علمائے اہل سنت اور سادات کرام کا قتل عام اور حرمین شریفین پر ناجائز قبضہ ان کی تاریخ رہی ہے، اگرچہ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں اللہ تعالیٰ نے ان کا زور توڑ دیا اور ان کے شہروں کو مسمار کر دیا اور پاک باز لشکر کو ان پر فتح نصیب ہوئی، لیکن ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں جب کمال پاشا نے ترکی کے بقیہ حصہ پر غیر اسلامی قانون رائج کیا تو اس کے بعد حرمین شریفین کا کوئی محافظ نہ رہ گیا، میدان خالی پا کر انگریزوں کی شہ پر نجد کے بھیڑوں نے دوبارہ ۱۹۲۵ء کے آخر میں مملکت حجاز پر فوج کشی کی، شریف حسین والی حجاز گرفتار ہو کر ایک گم نام جزیرے ''قبرص'' میں نظر بند کر دیا گیا اور وہیں اس

کا انتقال ہوا-اس کا بیٹا شریف علی چند روز کے لیے تخت حجاز پر بیٹھا، مگر جلد ہی آل سعود کے ہاتھوں شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔اس کے بعد ابن سعود نے مقدس مقامات اور اسلامی آثار کی ظالمانہ انہدامی کاروائیوں کا جو سلسلہ شروع کیا، وہ تاریخ کا انتہائی دردناک اور خوں آشام باب ہے۔اس کی تفصیل ''تاریخ نجد وحجاز''، اور ماہ نامہ رضوان، لاہور، شمارہ جولائی ۱۹۶۲ء اور دیگر کتب ورسائل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے-

علامہ ابن عابدین شامی نے بھی اپنی کتاب ''فتاویٰ شامی'' میں جلد دوم ص:۸۷۴ پر چند حقائق بیان کیے ہیں، مولانا بدرالدین قادری علیہ الرحمہ نے ''سوانح اعلیٰ حضرت''، ص:۱۵۰ تا ۱۵۶ پر وہی سچائیاں پیش کی ہیں۔ترکی، افریقہ، حجاز ونجد اور متحدہ ہندوستان کے اس وقت کے سیاسی وعسکری حالات پر ہم نے اجمالاً روشنی ڈالی ہے۔سیاسی اور حکومتی اتھل پتھل، طاغوتی قوتوں کا جبر واستبداد مذہبی معمولات ومعاملات میں بھی کافی زیادہ دخیل رہا ہے، انھیں قوتوں کے بطن سے مذہب کے نام پر اٹھنے والے فتنے بھی باہر آئے اور دنیا کے اسلامی سمندر میں طوفان برپا کردیا، نجد کی سرزمین کا سب سے بڑا فتنہ وہابیت سب کا سرخیل ثابت ہوا، آل سعود کی حکومتی سرپرستی میں خوب پھلا پھولا، متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کی شہ پر اور ان کی مالی امداد کی بدولت اسے امپورٹ کیا گیا اور اس کی تحریراً وتقریراً نشر واشاعت ہوئی، اسی کے شکم سے نیچریت، قادیانیت اور دیگر فتنے پیدا ہوئے اور مذہب حق بازیچۂ اطفال بن گیا، ہندوستانی مسلمانوں کی حالت سیاسی اور معاشی اعتبار سے بھی ابتر تھی، انگریز اور ہندو مل کر ان کے مفادات پر یلغار کر رہے تھے، یہ ۱۹رویں اور ۲۰رویں صدی میں مسلمانوں کے عالمی حالات کا اجمالی تذکرہ ہے-

مجدد اعظم، فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ ۱۰رشوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے اور ۲۵رصفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸را کتوبر ۱۹۲۱ء کو ان کا وصال ہوتا ہے، اس عالم رنگ وبو میں ان کے قیام کا وقفہ سن عیسوی کے لحاظ سے ۶۵ برس اور سن ہجری کے لحاظ سے ۶۸ برس ہوتا ہے-ان کی مکمل سوانح سے قطع نظر راقم ان کی دینی وملی خدمات اور علمی کمالات سے متعلق چند حقائق پیش کرنا چاہتا ہے، فقہ وافتا میں ان کی مہارت، تصنیف کتب ورسائل میں ان کی سرعت تحریر، زود نویسی اور اخاذ طبیعت کی جلوہ افروزی، تحقیق وتدقیق

اور تاریخی شعور میں ان کی یگانگت ایک مثال بن چکی ہے، اطمینان قلب کے لیے دو شہادتیں پیش خدمت ہیں-بدر ملت علامہ بدرالدین قادری رقم فرماتے ہیں:

''الغرض اعلیٰ حضرت کا علمی پایہ اتنا بلند ہے کہ جلیل القدر علما فرماتے تھے کہ گزشتہ دو صدی ۱۲۰۰ھ و ۱۳۰۰ھ کے اندر کوئی ایسا جامع عالم نظر نہیں آیا، موافق کا تو کہنا کیا، خود مخالفین بھی اعلیٰ حضرت کا علمی لوہا تسلیم کرتے تھے-''

(سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی، ممبئی، جنوری ۲۰۰۲ء، ص:۱۰۸)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''آپ کی تصانیف کا شمار بروایت حضرت شیر بیشۂ اہل سنت لکھنوی علیہ الرحمہ ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ائمہ متاخرین میں امام جلال الدین سیوطی مجدد قرن عاشر علیہ الرحمہ کے بعد کسی کے متعلق نہیں سنا گیا کہ وہ کثرت تصانیف میں اعلیٰ حضرت کا مقابل ہو-'' (ص:۱۳۳)

علامہ بدرالدین قادری مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے مستند سوانح نگار ہیں، انھوں نے معتبر شواہد وحوالہ جات کی روشنی میں آپ کی دستاویزی سوانح مرتب کی ہے، درج بالا دو شہادتیں اسی سے ماخوذ ہیں، دو شواہد مزید حاضر خدمت ہیں تا کہ حقائق کی تفہیم میں جانب داری کا الزام نہ رکھا جاسکے-دیوبندی جماعت کے مشہور عالم مولانا ابوالحسن ندوی سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ لکھتے ہیں:

''وہ (امام احمد رضا) نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے، ان کی تالیفات ورسائل کی تعداد سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق پانچ سو ہے۔جن میں سب سے بڑی کتاب فتاوی رضویہ کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانے میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ان کے فتاویٰ اور '' **كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم**'' (۱۳۲۳ھ، مکہ مکرمہ) اس پر شاہد عدل ہیں۔علوم ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، جفر میں انھیں مہارت تامہ حاصل تھی-''

(نزہۃ الخواطر، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد۔۱۹۷۰ء، ص:۴۱، ج:۸)

مولانا ابوالحسن ندوی نے آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو بتائی ہے حالاں کہ تازہ ترین تحقیق کے مطابق امام احمد رضا قادری کی کتب ورسائل اور تفسیر وحواشی کی مجموعی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ آپ کی فقہی وکلامی تحقیقات اور علوم دقیقہ میں آپ کی مہارت کاملہ کی گواہی موافقین ومخالفین سب نے دی ہے۔ تحریر کی گہرائی، مطالعہ کی وسعت، جزئیات پر کامل دسترس، حقائق ومعارف پر کڑی نگاہ، تاریخ سے اعلیٰ درجے کی شناسائی، علوم نقلیہ کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کے جدید وقدیم مسائل سے بھر پور آگاہی امام احمد رضا کی پہچان ہے، ایک زمانہ ان کی تبحر علمی کا قائل رہا ہے، شبلی نعمانی کے دست راست مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

''جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر تو میرے استاذ مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں۔'' (ماہ نامہ ندوہ، شمارہ اگست ۱۹۱۳ء)

یہ چاروں شہادتیں دعاوی کی حیثیت رکھتی ہیں، اب ہم شواہد ودلائل کی روشنی میں مذکورہ بالا دعوؤں کی تصدیق وتصویب کے لیے حقائق پیش کر رہے ہیں جو امام احمد رضا کی زندگی اور ان کی علمی وقلمی خدمات سے چنے گئے ہیں۔ اس سے قبل ایک تمہیدی گفتگو ملاحظہ کر لیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی کی مختصر تحریر میں جو چار نام موجود ہیں وہ بھی اپنے عہد کے مشہور مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں، سر سید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد، اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی کو بھی اس فہرست میں جوڑ دیا جائے اور پھر بہ نظر غائر ان حضرات کی تحریر کردہ کتب و رسائل کا تجزیہ کیا جائے تو تصانیف کی تعداد کے لحاظ سے ان ساتوں میں سے کوئی بھی امام احمد رضا کے مقابل ٹھہرتا نظر نہیں آتا، اور اگر موضوعاتی لحاظ سے ان کی تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو فقط تاریخ، تذکرہ، تحقیق، تنقید، شعر وادب، سیرت، تفسیر وغیرہ علوم وفنون میں انہیں تقسیم کر کے تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ ''آثار الصنادید'' اور ''اسباب بغاوت ہند'' میں سر سید کا تاریخی شعور بہ ظاہر نکھرا نظر آتا ہے مگر تفسیر قرآن میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ سر سید مغربی تہذیب وتمدن سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں انگلینڈ جا کر جو کچھ مطالعہ ومشاہدہ کرتے ہیں اسے اپنے دماغ وفکر میں بسا کر جب ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں ہندوستان

واپس آتے ہیں تو خود ساختہ نیچری فکر پیش کرتے ہیں اور گمراہی کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ان کے تعلیمی نظریات میں بھی انگریزوں کی حمایت ومداخلت کار فرما دکھائی دیتی ہے۔ ''حیات جاوید'' مولفہ مولانا الطاف حسین حالی میں یہ حقائق ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی اعظمی جو انگریزی حکومت کے خطاب یافتہ شمس العلماء اور دارالندوہ لکھنؤ کے کرتا دھرتا تھے، انھوں نے بھی سر سید کی نیچری فکر کو آگے بڑھایا، موازنہ انیس ودبیر اور شعر العجم میں ان کی تاریخی وتنقیدی بصیرت کی کافی شہرت ہوئی، مگر سیرۃ النبی میں من مانی تاویلات اور معجزات نبوی کے انکار نے سنجیدہ علمی حلقوں میں ان کا باطن ظاہر کر دیا۔ شبلی نعمانی کی حدیث فہمی اور تاریخ دانی مسلسل لغزشوں کا شکار رہی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو جواہر لال نہرو اور مسٹر گاندھی کی رفاقت اور غبار خاطر کی نثر سے کافی تعارف ملا، ان کے تعلیمی نظریات کی بھی دھوم رہی مگر وہ وہابیت سے الحاد تک جا پہنچے، ''آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی'' میں یہ اعترافات پڑھے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے تفسیر قرآن لکھی اور جا بجا تفسیر بالرای کے شکار ہوئے اور من مانی تاویلات میں الجھتے رہے۔ مذکورہ مصنفین کی تصانیف کی مجموعی تعداد امام احمد رضا کی تحریر کردہ کتابوں کی ربع بھی نہیں ہوتی۔

گیارہویں صدی کے کثیر التصانیف مجدد دین امت اور علمائے اہل سنت میں مجدد الف ثانی (دو درجن کتب)، محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۱۶ کتب)، علامہ میر عبدالواحد بلگرامی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ایک درجن سے زائد کتابیں) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہم الرحمہ کا نام لیا جائے اور ان کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ پیش کیا جائے تو فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، تاریخ، تذکرہ، کلام، تصوف، اور رد بد مذہباں میں ان حضرات کی کتابیں ملتی ہیں، علوم وفنون کی دیگر شاخیں وہاں نظر نہیں آتیں، چند کا تذکرہ تو ملتا ہے، مگر مستقل تصانیف نہیں ہیں۔ فتنہ وہابیت کی سرکوبی اور تقویۃ الایمانی سلسلے کی روک تھام کے لیے اولین کوشش کرنے والوں میں مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی (اندازاً بیس سے زائد)، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (۲۲)، مولانا عبدالرحمان فاروقی، مولانا خیر الدین کلکتوی کا نام سر فہرست آتا ہے، اور ان کی تصنیفات ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ، امتناع النظیر، سیف الجبار، المعتقد المستند اور سیف الابرار'' آج بھی لا جواب شمار کی جاتی ہیں۔ خانوادۂ برکاتیہ،

بلگرام و مارہرہ، خانوادۂ خیر آباد، خانوادۂ ولی اللّٰہی اور خانوادۂ بدایوں میں ایک سے بڑھ کر جلیل الشان اور عظیم المرتبت علما و ارباب فکر دکھائی دیتے ہیں اور ان کی تصانیف کو علمی دنیا میں احترام کی نگاہ سے کل بھی دیکھا گیا ہے، آج بھی دیکھا جاتا ہے، مگر موضوعات کی رنگا رنگی اور فنی تنوع ان کے یہاں بہت زیادہ نظر نہیں آتا، مختلف نایاب فنون پر مستقل تصانیف تو دور کی بات ہے۔ یہ نہ ان کی توہین ہے نہ تمسخر، ان کا علمی کام قابل قدر رہے، ان کے احسانات پوری علمی دنیا پر آج بھی باقی ہیں اور ان کی خدمات جلیلہ کے اثرات کی چمک کبھی کم نہ ہوگی۔ مگر امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی بات یقیناً اور ہے، علوم نقلیہ میں دور دور تک ان کا کوئی شریک و سہیم دکھائی نہیں دیتا اور علوم عقلیہ قدیمہ و جدیدہ میں تو وہ یکتا اور وحید عصر تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے جن علوم کا نام اپنی تحریر میں پیش کیا ہے اگر بہ طور استشہاد صرف انھیں پر بحث کی جائے تو یہ مقالہ طویل ہو جائے گا، پھر بھی اشارۃً چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، اور جفر وغیرہ علوم میں امام احمد رضا کی مہارت کا ذکر ندوی صاحب نے بہ طور مثال پیش کیا ہے، یہ بھی حقیقت بیانی ہے، واقعی امام احمد رضا قادری نے ان علوم و فنون پر مشتمل مستقل رسالے تصنیف فرمائے اور ان کے اصول و مبادیات اور مسائل و احکام کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فقہی موضوعات تو ان کے خاص موضوعات تھے ہی، جن علوم کے ماہرین اور کتابیں موجود نہیں تھیں ان میں بھی امام احمد رضا قادری کی نہ صرف معلومات زیادہ تھی، بلکہ کامل عبور حاصل تھا، چند شہادتیں ملاحظہ کریں اور پھر تجزیہ کریں۔

علم ریاضی میں امام احمد رضا کی مہارت و حذاقت سے متعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد مرحوم (۱۸۷۳ء۔۱۹۴۷ء) کا مشہور واقعہ ہے، جب وہ ریاضی کے ایک مشکل ترین مسئلے کے حل کے لیے بارگاہ رضا میں حاضر ہوئے اور پیش کردہ مسئلے کا علمی و اصولی حل پایا تو بے ساختہ ان کی زبان پر یہ تاثر آیا:

''صحیح معنوں میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔'' (مفتی برہان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، ادارۂ مسعودیہ، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص:۶۰)

پروفیسر شبیر احمد غوری (علی گڑھ) جو ریاضی و ہیئت میں محققانہ نگاہ رکھتے تھے، انھوں نے

''اسلامی ریاضی و ہیئت کا آخری دانائے راز مولانا احمد رضا خاں'' کے عنوان پر ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا اور امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تصنیف '' **التعلیقات علیٰ الزیج الایلخانی** '' (۱۳۱۱ھ) کے بارے میں یہ تبصرہ لکھا: ''میں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند ان کی جامعیت اور فضل و کمال کی جو تعریف کرتے ہیں وہ عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی پر موقوف نہیں ہے بلکہ واقعہ نفس الامری ہے۔''

(خیابان رضا، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص:۲۹۸)

علم توقیت میں امام احمد رضا کی مہارت ایجاد بندہ تھی، کیوں کہ اس فن میں علمائے متقدمین کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، ''سوانح اعلیٰ حضرت'' میں ہے کہ جب حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا سید غلام محمد بہاری، مولانا حکیم سید عزیز غوث بریلوی اور مولانا سید محمد ظفر الدین قادری نے ان سے فن توقیت دیکھنا شروع کیا تو اس فن میں مستقل کوئی کتاب نہ ہونے کی وجہ سے امام احمد رضا اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے اور یہ حضرات اسے لکھ لیتے۔ مولانا سید محمد ظفر الدین قادری نے ان قواعد کو جمع کرکے اور اپنی جانب سے اس میں تشریح اور مثالوں کا اضافہ کرکے ''الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کر ڈالی۔

ایم حسن امام ملک پوری نے ''امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں'' کے عنوان سے سات صفحاتی ایک مضمون قلم بند کیا، جو **المیزان**، ممبئی کے امام احمد رضا نمبر میں شائع ہوا ہے، اسی مضمون کے آغاز میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''راقم الحروف کے پاس مذہبی معلومات کا فقدان ہے، مادیات اور ارضیات کا قدرے مطالعہ ہے اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں امام احمد رضا کے صرف ایک حصہ تصنیف (فتاویٰ رضویہ) **کتاب الطھارۃ** سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین کے ہی بحر بیکراں نہیں، علم ارضیات، مادیات، فلکیات اور علم ریاضی و ہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر، مارچ ۱۹۷۶ء، ص:۲۹۱)

یہ مقالہ مزید شہادتوں کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس لیے اب تصانیف رضا کے موضوعاتی جائزے پر مشتمل کچھ باتیں پیش کرتے ہیں۔ مولانا سید محمد ظفر الدین قادری نے امام احمد رضا

کی لکھی ہوئی ۱۳۲۷ھ تک کی کل تصانیف کی فہرست مرتب کر کے شائع کی تھی، جس میں ۵۰ علوم وفنون پر ۳۵۰ کتابوں کا تذکرہ تھا، بعد میں اس میں ۹۶ تصانیف کا اضافہ فرمایا تو یہ تعداد ۴۴۶ تک جا پہنچی- ۱۳۶۹ھ میں ملک العلماء نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' تحریر کی تو اس کی جلد اول میں لکھا کہ ''درحقیقت اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زیادہ ہیں-'' (ص:۱۳۰)

خود امام احمد رضا نے اپنی نگارشات کی تعداد پانچ سو سے زائد لکھی ہے، ارقام فرماتے ہیں:

''اور اب تو بحمدہ تعالیٰ اگر احصا کیا جائے تو پانچ سو سے متجاوز ہوگی-''

(حاشیہ، فتاویٰ رضویہ، طبع ممبئی، ص:۲۳۵ ج۲)

المیزان، ممبئی کے امام احمد رضا نمبر میں آپ کی ۵۴۸ تصانیف کی موضوعاتی فہرست دی گئی ہے، جس کی روشنی میں امام احمد رضا نے علم تفسیر میں ۱۱، عقائد وکلام میں ۵۴، حدیث واصول حدیث میں ۵۳، فقہ، اصول فقہ، لغت اور فرائض وتجوید میں ۲۱۴، تنقیدات میں ۴۰، تصوف، اذکار، اوفاق، تعبیر، اخلاق میں ۱۹، تاریخ، سیر، مناقب وفضائل، ادب، نحو، عروض میں ۵۵، جفر وتکسیر میں ۱۱، جبر ومقابلہ میں ۴، مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم میں ۸، توقیت، نجوم، حساب میں ۲۲، ہیئت، ہندسہ، ریاضی میں ۳۱، اور منطق وفلسفہ میں ۶ تصانیف درج ہیں- (ص:۳۲۴)

مولانا عبدالمبین نعمانی قادری نے تصانیف رضا کی ایک موضوعاتی فہرست تیار کی جو ۶۸۲ کتابوں پر مشتمل ہے- مولانا عبدالستار ہمدانی گجراتی نے آٹھ سو سے زائد کتابوں کی فہرست پیش کی، مولانا ریاست علی قادری نے ۹۰۰ تصانیف کی ایک فہرست تیار کی تھی، جو کہیں گم ہوگئی اور طباعت کا مزہ نہ چکھ سکی- اس سلسلے میں ایک انتہائی معتبر نام پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقش بندی کا ہے، انھوں نے بھی بڑی جانفشانی اور تحقیق کے ساتھ ایک فہرست مرتب کی تھی، ان کا ایک بیان یہاں نقل کیا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

''آپ کی تصنیفات، تالیفات، تعلیقات اور شروح وحواشی کی نامکمل فہرست علامہ محمد ظفر الدین رضوی، علامہ عبدالمبین نعمانی، عبدالستار ہمدانی، سید ریاست علی قادری اور راقم نے مرتب کی تھی جو پچاس سے زائد علوم وفنون میں لگ بھگ ایک ہزار ہیں-''

(پروفیسر مسعود احمد، چشم وچراغ خاندان برکاتیہ، نوری مشن، مالیگاؤں، ص:۷)

ڈاکٹر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی ایک ہزار کے قائل نظر آتے ہیں، ''**المجمل المعدد**'' کا تعارف کراتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

''اس رسالہ میں جو مولانا عبدالجبار حیدرآبادی کی فرمائش پر مرتب کیا گیا، ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء تک کی لکھی ہوئی فاضل بریلوی کی ساڑھے تین سو تصانیف کا ذکر ہے، اب تصانیف کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے، جو پچاس سے زائد علوم وفنون پر مشتمل ہیں، یہ رسالہ ۱۳۲۷ھ کا مرتب کردہ ہے، اعلیٰ حضرت اس کے بعد ۱۳ سال اور زندہ رہے اور برابر سلسلہ تصنیف وتالیف جاری رہا-'' (ماہ نامہ، جہان رضا، لاہور، شمارہ نومبر ۱۹۹۵ء ص:۳۶)

مصری محقق محترم محمد خالد ثابت نے اپنی گراں قدر تحقیق '' **انصاف الامام** '' میں امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی مطبوعہ، غیر مطبوعہ ۶۳۴ تصانیف کا تذکرہ کیا ہے-

(ملاحظہ کریں: **انصاف الامام**، مطبوعہ، قاہرہ، نومبر ۲۰۰۹ء ص:۱۳۷ تا ۱۶۰)

ڈاکٹر امجد رضا امجد نے اپنے سہ ماہی جریدے رضا بک ریویو، پٹنہ، جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۲ء کا شمارہ ''رضویات کا اشاریہ نمبر'' کے نام سے ۴۱۴ صفحات کو محیط شائع کیا تھا، بہت سارے حقائق وہاں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں- جس میں تصانیف رضا کا موضوعاتی اشاریہ بھی ہے، امام احمد رضا پر کتابوں کا اشاریہ اور رضویات پر لکھنے والے محققین ارباب قلم کا ابجدی اشاریہ بھی ہے- یہ سچ ہے کہ امام احمد رضا نے ناقابل یقین حد تک سرعت تحریر کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ان کی کوئی تصنیف محض تاثراتی، یا غیر استدلالی نہیں ہے، بلکہ حد درجہ تحقیقی، محاکماتی، استدلالی اور معقولی ومنقولی خوبیوں سے آراستہ ہے، ان کے موافقین ومخالفین سب نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے- اخیر میں ایک حوالہ پیش کر کے اپنی بات مکمل کر دیتے ہیں، مولانا عبد الکریم نعیمی (بنگلہ دیش) اپنے مضمون ''ایشیا کا عظیم محقق'' میں رقم طراز ہیں:

''شعبان ۱۲۸۶ھ سے لے کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ تک پورے چوّن برس مسند افتا پر متمکن رہے اور اس عرصے میں اتنا لکھا کہ حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ محمد حسنین رضا خان صاحب نے جب حساب لگایا تو فی دن چھپن صفحات کتابت وتحریر کے نکلے-''

(ماہ نامہ، المیزان، ممبئی، امام احمد رضا نمبر، ص:۳۵۸)

فکر رضا کی شفافیت، عہد نو اور ہم

چودہویں صدی ہجری کے عظیم المرتبت، جلیل القدر، عرب وعجم میں یکساں مقبولیت رکھنے والے مجدد امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ اپنی اسلامی فکر، صالح تہذیبی وتمدنی جمالیاتی اقدار اور عشق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گہرا ادراک رکھنے کی وجہ سے آج کے اس دور کشاکش میں بھی عمدہ اسلامی نظریہ، دینی روایات اور عشق رسالت کا خوب صورت استعارہ بن کر افق علم وآگہی پر جگمگاتے دکھائی دیتے ہیں- ان کے فکری میلانات اور دینی خیالات میں جھول بالکل بھی نہیں ہے، بلکہ وہ شفافیت وعمدگی وشائستگی کا ایسا آئینہ خانہ ہیں جس میں ہم عہد رسالت سے لے کر عصر جدید کے اسلامی تمدن ومذہبی ثقافت اور صالح روایات کا چمکتا چہرہ صاف طور پر دیکھ سکتے ہیں- ان کے افکار وخیالات اور احساسات وادراکات میں خیر القرون میں انجام دی جانے والی مذہبی سرگرمیوں اور کارگزاریوں کا پورا نقشہ منقش تھا اور وہ زندگی بھر ایک مشن کے طور پر اپنی زبان وقلم سے اسی نقشے میں رنگ بھرنے کی کوشاں رہے اور فضل الٰہی سے کامیاب وکامران بھی- ایسا اس لیے ہوا کہ وہ جس نصب العین کو چن کر پوری دل جمعی کے ساتھ عملی اقدام کر رہے تھے اس کی صداقت وحقانیت پر انھیں پورا وثوق اور اعتماد کلی حاصل تھا، وہ خود اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے مالا مال تھے اور اسلاف مجتہدین، محدثین، مفکرین اور فقہائے متبحرین کی افکار وتحقیقات سے ان کا رشتہ استوار تھا اور مذہبی ودینی سرچشمہ قرآن وحدیث کے معانی ومطالب پر انھیں کامل درک حاصل تھا۔ انھوں نے حق کو حق سمجھا اور باطل کو باطل گمان کیا، حق کی اشاعت وترویج کے لیے بھرپور جدوجہد کی اور باطل کی تردید کے لیے کسی لومۃ لائم کی پروانہ کی، ان کی ذات پر حملہ ہوا تو خاموشی سے سہہ لیا مگر جب عقائد اسلامی اور نصوص قطعیہ میں خرد برد کیا گیا،

عظمت رسالت پر حرف گیری کی گئی تو سراپا مجاہد بن گئے، اپنے قلم زرنگار کو سیف ذوالفقار بنالیا- اللہ عزوجل کی ذات وصفات اور رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم واختیارات اور نبوت ورسالت کے حوالے سے قرآن کے اجماعی معنی کو چھوڑ کر من گھڑت تاویلات اور ایمان سوز رجحانات سامنے آئے تو سراپا جلال بن گئے۔ اگرچہ بعض نکتہ چینوں نے ان پر شدت پسندی کا الزام لگایا اور انھیں مسئلہ تکفیر میں لعن طعن سہنا پڑا لیکن امام احمد رضا قادری نے وہی کیا جو قرآن وحدیث اور اسوۂ صحابہ وتابعین کے اندر پیش کیے گئے اسلوب دعوت کا لازمی تقاضا تھا جس میں کسی طرح کی رو رعایت کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اس طرز عمل کو فتنہ پروری، اختلاف وانتشار کا نام دینے والا قطعی طور پر تاریخ اسلام سے ناآشنا کہا جائے گا، وہ کسی بھی طرح اسلام اور مسلمانوں کا ہمدرد ومونس نہ مانا جائے گا- یہی وجہ ہے کہ جب احباب میں سے کسی نے امام احمد رضا سے گزارش کی کہ زبان وبیان میں کچھ نرمی لائی جائے، تو آپ کا جواب تھا کہ اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ان مرتدین کا حکم قتل تھا یعنی حاکم اسلام ان گستاخوں سے جہاد بالسیف کرتا، حاکم اسلام اور حکومت اسلامیہ نہ ہونے کی صورت میں ان سے جہاد بالقلم تو کر ہی سکتا ہوں، سو کر رہا ہوں-

امام احمد رضا نے اپنے قلم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے خود ہی لکھا ہے:

کلک رضاؔ ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

خامۂ رضا نے انتہائی جرأت وہمت کے ساتھ کامل امانت داری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے فتنوں کا استیصال کیا، بدعات وخرافات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، تعلیمات اسلامیہ کو بدنظمی اور انتشار سے محفوظ کیا اور اسلام کی شفافیت کو نمایاں طور پر پیش کیا۔ جبھی تو فکر امام احمد رضا کو فکر اسلامی کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور عہد رضا سے لے کر اب تک ان کی ذات برصغیر ہند وپاک میں اسلام وسنیت کی علامت بن کر اپنی اصلیت ومذہبیت کا علم بلند کر رہی ہے، اس لیے یہ کہنا کہ فکر رضا امام احمد رضا کی ذاتی فکر کا نام ہے قطعاً غلط اور حقائق کا انکار ہے۔ فکر رضا دراصل اسلامی فکر ہے، مذہبی نظریہ ہے، تعلیمات اسلامی سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں ہے اور اگر کوئی قرآن وحدیث سے مقابلہ کرتی ہوئی فکر پیش کرتا ہے اور اسے فکر رضا کا نام دیتا ہے تو وہ بہت بڑا مجرم

ہےاور امام احمد رضا کی روح کو زک پہنچانے کا کام کررہا ہے۔اللہ عزوجل ہمیں اس طرح کی مجرمانہ جسارت سے بچائے ،آمین-

امام احمد رضا قدس سرہ نے جب اپنے وصایا شریف میں اس بات کی وضاحت کی:

''میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے-''(الملفوظ،کامل،ص:۸،ادبی دنیا،دہلی)

تو مخالفین رضا کو لگے ہاتھوں اعتراض وایراد کا بہت بڑا مسالہ مل گیا اور انھوں نے کھلے لفظوں میں اس بات کا اعلان واظہار کردیا کہ امام احمد رضا ایک نئے دین ومذہب کے بانی ہیں ، جبھی تو وصایا میں انھوں نے ''میرا دین ومذہب'' کا لفظ استعمال کیا اور بانی مذہبِ آخر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔میں جملہ قارئین کرام سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ اگر میں کہوں کہ آپ کا دین ومذہب کیا ہے؟ تو یقیناً آپ کا جواب ہوگا:''دین اسلام ہے-'' یا آپ مجھ سے پوچھیں کہ آپ کا مذہب کون سا ہے؟ تو جواب یہی ہوگا کہ میرا مذہب اسلام ہے-کیا دونوں جوابات سے آپ یا میں کسی نئے مذہب کے بانی مانے جائیں گے؟ ہرگز نہیں ،ہوش منداور غیر جانب دار تجزیہ نگاران الزامات پر ضرور قہقہہ لگائے گا اور ان معترضین کو مشورہ دے گا کہ تم چند سالوں کے لیے انڈمان چلے جاؤ-

صرف تین شہادتیں میں قارئین کے روبرو پیش کررہا ہوں جو حقیقت کی حقیقی معنوں میں تصویر کشی کریں گی اور دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی-

(۱)-مولانا سلیمان ندوی جو اہل حدیث مکتب فکر کے حامل ہیں ،انھوں نے ''حیات شبلی'' میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد نمایاں ہونے والے دو گروہوں کی نشاندہی کے بعد ایک تیسرے گروہ کے چہرے سے نقاب ہٹایا ہے اور تحریر کیا ہے:''ان دو کے علاوہ ایک تیسرا سلسلہ بھی تھا،تیسرا فریق وہ شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو 'اھــل الســنۃ' کہتا رہا۔اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علما تھے-''(حیات شبلی،ص:۴۶)

(۲)-مسلک اہل حدیث کے نمائندہ عالم دین ثناء اللہ امرتسری نے ۱۹۳۷ء میں اپنی کتاب ''شمع توحید'' میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:''امرتسر میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی

(ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے ،اسّی سال قبل یہاں سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے-''(شمع توحید،ص:۴۰)

(۳)-مشہور مورخ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:''انھوں (امام احمد رضا) نے نہایت شدت کے ساتھ قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی-''(موج کوثر،ص:۷،طبع ہفتم ۱۹۳۰ء)

یہ شہادتیں بتارہی ہیں کہ امام احمد رضا کسی نئے مذہب ومسلک کے بانی نہ تھے بلکہ اسی مسلک کے پیروکار تھے جو شاہ عبدالحق محدث دہلوی ،اسلاف کرام ،صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کا تھا۔اب بھی کسی کو شبہہ ہو تو امام احمد رضا کا دین ومذہب جو ان کی کتب سے ظاہر ہے خود ان کی مطبوعہ چار سو سے زائد کتابوں ،فتاویٰ اور ان پر لکھی گئی آٹھ سو سے زائد کتابوں اور پی ایچ ڈی کے مقالوں کو پڑھ کر اپنے شبہات کا ازالہ کرسکتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب اسے قبول حق میں تامل نہ ہوگا-اس لیے نہ تو فکر رضا،نظریہ رضا،تعلیمات رضا،خیالات رضا کو غیر اسلامی قرار دیا جاسکتا ہے، نہ ہی غالبیات واقبالیات کے بالمقابل علمی اصطلاح ''رضویات'' کو قرآن وسنت سے الگ کوئی نئی فرعِ علم کہا جاسکتا ہے-

اس سلسلے میں علامہ سید وجاہت رسول قادری ایڈیٹر معارف رضا کراچی وسرپرست اعلیٰ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل کراچی اپنے ایک مقالے ''رضویات کا اصطلاحی مفہوم اور تقاضے'' میں رقم طراز ہیں:

''دیکھا جائے تو رضویات کا اصل منبع قرآن وسنت ہیں،اس لیے یہ کوئی نئی فرع علم نہیں ہے ،امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تحریر وفکر کی تمام تابانیاں وجولانیاں قرآن حکیم اور اعلم کائنات ،عالم ما کان ویکون کے نور کا پرتو ہیں۔وہ علم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاف مصفیٰ سرچشمہ سے سیراب اور ائمہ کرام بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بحر علم سے فیضیاب ہیں بلکہ دور جدید میں حنفی المذہب اور صحیح العقیدہ ہونے کی آپ ہی شناخت ہیں-''(سہ ماہی رضا بک ریویو، پٹنہ،شمارہ:۲،ص:۳۸)

جہاں تک امام احمد رضا کے فکری کینوس کی وسعت ورنگارنگی اور علمی تنوع کی بات ہے تو اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اللہ عزوجل نے انھیں اپنے فضل خاص سے ان

گنت علم وفن کا بحر ذخار بنادیا تھااور ان علوم وفنون کے تعلق سے ایسے ایسے موضوعات کی نشاندہی فرمادی تھی کہ جہاں عقل وخرد کو حیرانی ہونے لگتی ہے لیکن جب ایک ذی ہوش محقق کھلی آنکھوں سے حقائق کی تہہ میں اتر کر ان کا مشاہدہ وتجزیہ کرتا ہے تو برملا اعتراف کرتا دکھائی دیتا ہے کہ:'' اللہ عزوجل نے انھیں علم لدنی عطا فرمایا تھا، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں، سہی معنوں میں یہ ذات نوبل پرائز کی حقدار ہے-'' وغیرہ وغیرہ-

امام احمد رضا کا عہد انیسویں صدی کے نصف اخیر سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول پر محیط ہے- یہ وہ زمانہ ہے جس میں انگریز سامراجیت پورے ہندوستان کے تمام تہذیبی وتمدنی ،معاشی واقتصادی ،سیاسی ومعاشرتی مراکز پر قابض ودخیل ہو چکی تھی اور مغربی ثقافت ،آزادانہ کلچر اور عیسائی ازم کے فروغ واشاعت کی کوشش تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی- انگریزوں کے زرخرید ہندوستانی علما زر، زمین ،زن کے بدلے دین وایمان کا سودا کررہے تھے- مسلمانوں کی املاک پورے طور پر انگریزوں کے کنٹرول میں جارہی تھی ،انھیں معاشی واقتصادی طور پر کنگال کردینے کا انگریزی نسخہ اپنا کام کررہا تھا- اسلام اور اسلامی تعلیمات وعقائد ونظریات کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے خزانے کا دہانہ کھول دیا گیا تھا ،مشرقی تہذیب کا جنازہ نکل رہا تھا- حالات کی سنگینی اور ماحول کی ابتری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ باضابطہ تنخواہیں دے کرنہ صرف تاریخ ہندوستان کے صاف وشفاف چہرے پر کالک پوتا جارہا تھا بلکہ ہندوستان کی علاحدہ اسلامی تاریخ مرتب کرنے کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی جو اسلامی تاریخ کم ہوتی ،انگریزیت زدہ اسلامی افسانہ زیادہ ہوتا- ایسے خوں چکا حالات اور ناخوش گوار ماحول میں اسلامی روح کو زخمی ہونے سے بچانا تھا، دینی تہذیب وثقافت کو تحفظ دینا تھا، ہندوستانی تمدن اور مشرقی کلچر کے حلقوم کو تیر کے وار سے امان دلانی تھی ،معاشیات پہ کسا جاتا ہوا انگریزی شکنجہ اور اس کے دست برد سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو نجات بخشنی تھی ،شعائر اسلامی کو عیسائیت و مغربیت کی نوکیلی تلوار سے زخمی ہونے سے بچانا تھا اور اپنی ہندوستانی وملکی شناخت پر لگے داغ دھبوں کو صاف کرنا تھا، کھلے دشمنوں سے مقابلہ کرنا تھا اور چھپے دشمنوں کو بے نقاب کرکے ان کی تملق وچاپلوسی اور مادیت پرستانہ ذہنیت کو نمایاں کرنا تھا اور ان کی چیرہ دستیوں سے اسلام اور

مسلمانوں کی فکری ونظریاتی صلابت کو کمزور وناتواں ہونے سے محفوظ کرنا تھا-

قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں پر لادے گئے ان سنگین حالات کے تصفیے کے لیے کس جگر گردے کی ضرورت تھی ،کس قدر دانش وری اور ہوش مندی درکار تھی ،کتنا علمی وفنی کمال لازمی تھا ،کس قدر اعلیٰ صلاحیت ناگزیر تھی ،لیکن اللہ عزوجل بڑا کریم ورحیم ہے ، اس کا کرم بے پایاں ہیں ،اس کی رحمت بے حساب ہے- امام احمد رضا کی ذات کو ان تمام فتنوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت وجرأت عطا فرمائی ،ان کے افکار کو صلابت کے جوہر سے آشنا فرمایا، ان کے علوم وآگہی میں پختگی بخشی ،ان کے دینی شعور کو عمدگی سے نوازا اور ان تمام ناخوش گواری کو دور کرنے کی ذمے داری امام احمد رضا کو سونپی اور امام نے باحسن وجوہ اس فریضہ کو ادا کیا-

تاریخ ہند گواہ ہے کہ امام احمد رضا نے خداداد صلاحیتوں کو نہ صرف عقائد اسلامی، قرآنی تعلیمات ،نبوی پیغامات کے فروغ واستحکام میں صرف کیا، بلکہ مغربیت زدہ تجدیت کے سیلاب پر بند باندھنے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کرلی ،مسلمانوں کی اقتصادی حالات میں سدھار پیدا کرنے کے لیے ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' کا عمدہ نسخہ عطا فرمایا- انھیں اسلامی بینکنگ نظام دیا ،انھیں مغربی تمدن کی آسیب زدگی سے امان دلائی ،انگریزوں کے ٹٹو عوام وخواص کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ،ان کے ذریعہ پیش کیے گئے غیر اسلامی افکار ونظریات کے رد وابطال میں ذرہ بھر کوتاہی نہ برتی ،فکر ولی اللہی سے ہٹے ہوئے مولویوں کی مکاری وعیاری کو بے نقاب کیا-

امام احمد رضا کے یہ تمام کارنامے صرف کتابوں کی تصنیف ،فتاوی نویسی اور خط وکتابت تک محدود نہ تھے بلکہ انھوں نے افراد ورجال کی شخصیت سازی کے ساتھ دین ومذہب کے فروغ واشاعت کی جملہ جہات پر دقیق نظر دوڑا کر لائق وفائق افراد کا انتخاب فرمایا، مدارس قائم فرمائے ،رسائل وجرائد ایشو کیے، مناظرین تیار کیے، سیاسی قائدین کو اسلامی نظریہ دے کر ملکی حالات پر اپنا کنٹرول قائم کرنے کے لیے بھیجا- دولت مند حضرات کو دین کے کاموں میں روپیہ لگانے پر آمادہ کیا، صحافت ہو کہ سیاست ،قضا ہو کہ افتا، ہر میدان میں مجاہدین کا لشکر بھیجا، انہیں اسلحہ فراہم کیا ،انھیں دین کا لالچ دیا ،انھیں ان کا دینی فرض یاد دلایا ،امام احمد رضا کا اتنا سب کچھ کرنا ان کی ذمے داریوں میں شامل تھا اور اس اہم دینی واسلامی فریضے کی ادائیگی میں امام احمد رضا قادری

نے اپنا سارا فکری، علمی، فنی، ادبی سرمایہ لٹا دیا۔

ان کا دور تہذیبوں کے تصادم کا دور تھا، غیر ضروری رسم و رواج سے بوجھل تھا۔ اس لیے اس رخ پر بھی نگاہ دوڑائی اور پوری تندہی کے ساتھ غیر شرعی خرافات و بدعات کا استیصال فرمایا، اس لیے کہ غیر اسلامی بدعات و رواج سے انھیں خدا واسطے بیر تھا۔

اس وقت ہم اکیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں جس کی دوسری دہائی اپنی تمام تر بے چینی، تخریب کاری اور فتنہ و انتشار کے ساتھ ہمارا استقبال کر رہی ہے۔ بیسوی صدی کے نصف آخر میں دنیا نے سائنس و آرٹ کی غیر معمولی ترقی و عروج کو بنظر غائر دیکھا، جس کے اثرات آج بھی محسوس کئے جاتے ہیں، دنیا جوں جوں ترقی کرتی جا رہی ہے، انسانیت اور اخلاقیات سے اس کا رشتہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے، تہذیبی و تمدنی جوہر سے اس کا تعلق منقطع ہو رہا ہے، مذہب بیزاری کا عفریت پورے طور پر ہمارے سماج کو اپنی چپیٹ میں لے رہا ہے، فطرت سے بغاوت کا غلط رجحان بڑی تیزی کے ساتھ عام ہو رہا ہے، اور ادھر دنیا ایک گاؤں کی شکل میں بدل گئی ہے، اب نہ تو کسی رجحان کو دنیا میں عام ہوتے دیر لگتی ہے اور نہ ہی افتراق و تخریب کاری کا کوئی سانحہ چھپا رہ جاتا ہے، موبائل، انٹرنیٹ، ٹی وی چینلز اور سائنس و ٹیکنالوجی کے دوسرے حیرت انگیز آلات نے مشرق و مغرب شمال و جنوب میں کوئی فرق و امتیاز باقی نہیں رکھا، ساری دشائیں ایک ہو چکی ہیں، اب تحقیق و تدقیق میں کافی سہولیت آگئی ہے، آپ کسی بھی موضوع پر انٹرنیٹ کے ذریعہ ویب سائٹ پر اپنا مطلوبہ مواد حاصل کر سکتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اب حقیقت کو چھپانا مشکل ہو گیا ہے اور اس کا دوسرا پہلو بھی ہے کہ اب کسی جھوٹ کو ہزاروں بار بول کر کافی دنوں تک پوری دنیا کے سامنے حقیقت کا پروپیگنڈہ کیا جا سکتا ہے۔

ایسے بدلتے حالات میں جیت اسی کی ہوگی جس کے پاس حق ہوگا اور جس کے پاس وسائل کی فراوانی ہوگی، کسی بھی فکر و نظریہ کی اشاعت کے ہر ممکن اسباب و وسائل پر جس کا شکنجہ مضبوط ہوگا جیت کا تاج وہ پہنے گا۔ اس لیے اب ہماری ذمے داریاں دوگنی ہو گئی ہیں۔ ہمارے پاس فکر اسلامی اور فکر رضا کی اشاعت و فروغ اور اس کی حقانیت ثابت کرنے کا سنہری موقع ہے چوں کہ حق ہمارے ساتھ ہے البتہ وسائل کی فراوانی اور افراد کی قلت کا شکوہ بدستور اپنی جگہ باقی

ہے، اس لیے ہمیں وسائل پر اپنا کنٹرول مکمل کرنا ہے اور مقتضیات زمانہ کے لحاظ سے ماہر افراد کی ٹیم کو میدان میں اتارنا ہے اور خود بھی عملی اقدام میں برابر حصہ داری نبھانی ہے۔

اس سلسلے میں ہم کو امام احمد رضا کے افکار کا سہارا لے کر دین و مذہب کے فروغ و اشاعت کی خاطر پیش کیے گئے نکات و اظہارات پر غور کر کے انھی خطوط کی روشنی میں اپنی ذمے داری ادا کرنی ہے اور مذہب اسلام اور عقائد اسلامی کا اصلی چہرہ دنیا کے سامنے کرنا ہے، تا کہ دنیا جان لے کہ اسلام ہی امن کا دین ہے، اسلام ہی انسانیت کا مذہب ہے، اسلام ہی دین فطرت ہے اور فکر رضا اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے اور قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا کے افکار کا تعلق نہ صرف قرآنیات، فقہیات، مذہبیات سے مربوط ہے بلکہ سیاسیات، اقتصادیات، معاشیات، عمرانیات، انسانیات، اخلاقیات سے بھی وہ پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ امام احمد رضا کے افکار کی روشنی میں ہم اسلام کا سیاسی، اقتصادی، عمرانی، اخلاقی نظریہ اور فلسفہ دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

فکر رضا صرف ناموس رسالت، مسئلہ تکفیر، احکام شریعت، عظمت سادات، تعلیمات قرآن، شعر و ادب اور فقہیات میں منحصر اور محصور نہیں ہے بلکہ وہ ایک آفاقی فکر کا نام ہے جس میں حد درجہ تنوع اور وسعت ہے، فکر رضا میں عرفان ذات کا مواد موجود ہے، عرفان خدا کی تعلیم موجود ہے یہی نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی ہر عزت اور ترقی کا راز پنہاں ہے۔ عقیدت کو حقیقت سے جب تک ہم آمیز نہ کیا جائے گا دنیا آپ کی بات پر کان نہ دھرے گی، جب ہمارے پاس حقانیت ہے، دینی روح ہے، درست اسلامی تعلیم ہے تو ہم زمینی حقائق کی بازیافت میں سستی کیوں دکھائیں؟۔

ہم ذیل میں سلسلہ وار چند بنیادی نکات و تجاویز کی نشان دہی کر رہے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے جملہ ارباب حل و عقد کو سنجیدہ غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ جن کا تعلق فکر رضا کی ترسیل سے بھی ہے، عقائد اسلامی کے تحفظ سے بھی اور جماعتی استحکام و تشخص سے بھی۔

(۱)۔ فرد کے بالمقابل جماعت کی آواز ایک وزن و حیثیت رکھتی ہے، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی کے لیے امام احمد رضا کافی فکر مند تھے، کیوں کہ اختلاف و انتشار و بدمزگی کسی بھی

طرح کی ترقی کے لیے سدراہ ہے ،اہل سنت کے تنظیمی ڈھانچے کی تشکیل کے لیے بھی فکر رضا ہماری رہ نمائی کررہی ہے،فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا نے تحریر فرمایا ہے:''خالص اہل سنت کی ایک قوت اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے مگر اس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے-

(۱)-علما کا اتفاق (۲)-تحمل شاق قدر بالطاق (۳)-امرا کا اتفاق لوجہ الخلاق-''

(فتاویٰ رضویہ،رضا اکیڈمی،ممبئی،ص:۱۳۲،ج:۱۲)

الفاظ وتراکیب کا تیور بول رہا ہے کہ قوت اجتماعی کی بحالی کے لیے ایمانی رشتوں کا استوار ہونا ضروری ہے،کیا ہم اس مضمون جملہ پر غور نہیں کرسکتے اور اس سلسلے میں عملی اقدام ہمارے دین ومسلک کے لیے ضروری نہیں؟-

(۲)-امام احمد رضا بلند پایہ شخصیات کو ان کے حسب مراتب مقام ومرتبہ اور القاب وآداب سے نوازا کرتے تھے،تنقیص شان اور ہتک عزت کا کوئی مقدمہ اب تک مخالفین بھی ان کی ذات پر قائم نہ کرسکے ہیں،جب ان سے پوچھا گیا کہ ہندوستان میں کن علما ومفتیان کے فتووں پر آنکھ بند کرکے اعتماد کیا جاسکتا ہے تو انھوں نے اپنے والد محترم علامہ نقی علی خاں اور تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی کا نام پیش کیا تھا،ایک دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں:

''اپنے میں جسے حمایت دین پر دیکھا،اس کے نشر فضائل اور خلق کو اس کی طرف مائل کرنے میں تحریراً وتقریراً ساعی رہا،اس کے لیے عمدہ القاب وضع کرکے شائع کیے-''

(فتاویٰ رضویہ،طبع رضا اکیڈمی،ممبئی،ص:۱۳۳،ج:۱۲)

ایک جگہ تحریر فرمایا:''حاشا!فقیر تو ایک ناقص،قاصر ادنیٰ طالب علم ہے،کبھی خواب میں بھی اپنے لیے کوئی مرتبہ علم قایم نہ کیا-''(فتاویٰ رضویہ،ص:۱۳۱،ج:۱۲)

اس لیے ہم پر لازم ہے کہ کسی بڑی شخصیت کا ادب واحترام اس کے حسب مرتبہ بجالائیں اور غیر ضروری القاب وآداب سے ذات کو بوجھل نہ بنائیں،حالیہ دنوں میں سرزمین ممبئی کے ایک پوسٹر میں ایک حافظ وقاری اور پرائمری استاذ کے لیے واضح لفظوں میں ''مفکر اسلام''اور ایک امام اور دینیات کے استاد کے لیے''عمدۃ العلماء''کا لاحقہ دیکھ کر میں خود حیرت زدہ رہ گیا-

(۳)-فروغ اہل سنت کے لیے امام احمد رضا نے جو دس نکاتی پروگرام مرتب کیا تھا اسے

روبہ عمل لانے کی جدوجہد کریں،امام نے حتی المقدور ان نکات کو عملی جامہ پہنا کر دکھایا ہے اور آج ہم انھیں شائع کرکے خراج تحسین تو حاصل کرلیتے ہیں اور ان نکات کی روشنی میں کوئی عملی پیش رفت نظر نہیں آتی-(الا ماشاء اللہ عزوجل)

(۴)-امام احمد رضا نے اپنے دس نکاتی پروگرام میں ایک نکتہ یہ پیش فرمایا ہے کہ طبائع طلبہ کی جانچ ہو،تقسیم کار ہو،قابل کار فرد کا انتخاب ہو اور باقاعدگی کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے اسے مطلوبہ کام میں لگایا جائے،ہر میدان کے لیے افراد کا تعین ہو،تاکہ جلسے،جلوس میں بھی مقررین علما پہنچ سکیں اور دوسرے افراد حمایت دین میں تصنیف وتالیف سے وابستہ رہیں-لیکن آج ایک گھنٹہ کی تقریر کے لیے نامی گرامی خطیب کو اپنی کمائی کا بیس ہزار پچیس ہزار دے کر قوم کو کوئی افسوس نہیں ہوتا اور کسی مصنف یا مقالہ نگار کو حوصلہ افزائی کا ایک ٹیلی فون کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی-جب کہ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''حمایت مذہب ورد بد مذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں-''(فتاویٰ رضویہ،ص:۱۳۳،ج:۱۲)

(۵)-جلسے،جلوس،نیاز،فاتحہ وعرس بزرگاں کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان میں درآئے غیر شرعی رسم ورواج کی وجہ سے ان کے ناجائز وحرام ہونے کا حکم دیا جاسکتا ہے،اگر نکاح جیسے مقدس عمل میں ناچ گانا،فضول خرچ،مرد وزن کا آزادانہ اختلاط ہو رہا ہے تو ان غیر اسلامی اعمال کی روک تھام کی جائے گی نہ یہ کہ نکاح پر پابندی لگادی جائے گی،لیکن ذرا اس نکتے پر غور کیا جائے کہ جب وضو جیسے عمل میں اسراف کو غلط ٹھہرایا گیا اور امام احمد رضا کو ''**بارق النور فی مقادیر ماء الطهور**''اور''**برکات السماء فی حکم اسراف الماء**''جیسے رسائل تحریر کرنے پڑے تو جلسے،جلوس،نذر ونیاز اور عرس ونکاح میں کی جانے والی فضول خرچیاں کیا قابل برداشت ہیں؟کیا یہ سرمائے دین کے دوسرے ان سے اہم کاموں میں نہیں لگائے جاسکتے-کیا ان سے کتابیں نہیں چھپوائی جاسکتیں،اخبارات میں باقاعدہ لکھنے والے مقالہ نگاروں کو نذرانے نہیں دیے جاسکتے؟-

(۶)-موجودہ دور صحافت وصارفیت کا دور کہا جاسکتا ہے اس وقت مارکیٹ میں اسی چیز کی

ویلو ہے جو خوب سجی سنوری ہو، ظاہری آرائش وزیبائش کا مرقع ہو، ایسے میں کتنی انتہائی گھٹیا چیزیں فیشن کے نام پر مقبول انام ہو جاتی ہیں، لاکھوں ویب سائٹس انٹرنیٹ پر موجود ہیں اور اپنے اپنے مشن کو لے کر آگے بڑھ رہی ہیں، جس میں بے بنیاد ازم خوب پھیل رہا ہے اور کچھ سچائی بھی فروغ پا رہی ہے، جب کہ ہمارے پاس تو دین برحق ہے، مسلک برحق ہے، دنیا کی سب سے عظیم سچائی ہے اور ابھی ہمارے پاس جو تعلیمات وافکار ہیں ان کا سررشتہ دلائل وشواہد کی روشنی میں خیر القرون سے ملا ہوا ہے، تو اب ان سچی، حقیقی، واقعی تعلیمات کو انٹرنیٹ اور دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ دنیا میں عام کرنے کی جسارت ہم کیوں نہیں کر پا رہے ہیں؟ کچھ ویب سائٹس ہیں بھی تو ان میں صارفین اور ناظرین کے لیے تشفی بخش مواد موجود نہیں یا ہے تو عالمی زبانوں میں ان کے ترجمے نہیں ہیں کہ ہر زبان کا قاری ان سے استفادہ کر سکے، اب اس خاص نکتے کی طرف ہمارے بڑوں کی توجہ ہو رہی ہے اور عملی اقدام بھی ہو رہا ہے، امید ہے کہ آئندہ چند سالوں میں فروغ دین کا یہ شعبہ ہماری طرف سے تشنہ نہ دکھائی دے گا۔

اشاعت دین وسنیت کے جس جس شعبے میں جو حضرات کام کر رہے ہیں، انھیں میں دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کی کامیابی کے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوں، اللہ عزوجل ہمارے علما، اساتذہ، مشائخ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے، آمین۔

●●

''رضویات'' پر ہماری نکتہ چینی: چہ معنی دارد؟

مجدد اعظم، فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری قدس سرہ اپنے وقت کے مرجع الفتاویٰ، ہندو سندھ، عرب وعجم کے لاکھوں عوام وخواص کے معتمد علیہ تھے، ان کی ذات ہزاروں ستاروں کے درمیان ماہ کامل کی سی تھی۔ جس نے اپنی علمی وفکری، تحقیقی واصلاحی، دعوتی وتبلیغی خدمات جلیلہ کی بدولت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت کی سند حاصل کر لی اور ہزاروں دلوں پر آج بھی ان کا سکہ رائج الوقت ہے، دنیا اس سچائی کو مانتی ہے۔ اکابر اہل سنت وجماعت، مشائخ طریقت، سجادگان خانقاہ، ادیبان زمانہ اور دانش وران ملت موافقین ومخالفین سب نے امام احمد رضا قادری بریلوی کو مختلف علوم وفنون کا ماہر، مجدد اعظم، فقیہ بے بدل، مفتی بے مثال، محقق بے نظیر، شاعر باکمال اور مفکر دین اسلام تسلیم کیا ہے اور اپنے اعترافات میں اس بات کی شمولیت کو یقینی بنایا ہے۔ امام احمد رضا قادری نے کئی محاذ پر قلم کا معرکہ سر کیا ہے اور رد بدعات ومنکرات میں وہ محیر العقول کارنامہ انجام دیا ہے کہ دل جھوم جھوم جاتا ہے، طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے، وہ اپنے بڑوں کا احترام بھی کرتے تھے اور چھوٹوں پر شفقت وعنایت کے پھول بھی نچھاور کرتے تھے، ان سے جب پوچھا گیا کہ ہندوستان میں کون کون ایسی شخصیات ہیں جن کے فتاویٰ اور فیصلوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد واعتبار کیا جا سکتا ہے تو انھوں نے اپنے والد محترم علامہ شاہ نقی علی خاں اور تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہما الرحمہ کا نام پیش کیا تھا۔ (ملاحظہ کریں: فتاویٰ رضویہ ج:۱۲، ص:۱۳۰، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی)

امام احمد رضا نے عالی شخصیات کے حسب مراتب ان کے لیے عمدہ القاب وآداب وضع کیے اور نشر فضائل میں کوئی کوتاہی نہ برتی، اپنے فتاویٰ میں متعدد جگہ اس نکتے کو واشگاف فرمایا ہے۔ اپنی کتاب ''الاستمداد'' میں اپنے تلامذہ وخلفا کی کامیاب حوصلہ افزائی کی ہے۔ البتہ ''

وضع الشئی فی غیر محله ''اور غیر ضروری القاب بازی اور بیجا تحسین وتعریف سے ہمیشہ اپنے قلم کو روکا ہے۔ امام کا یہ شعر ان کی اسی پاکیزۂ فکر کی غمازی کرتا ہے، فرماتے ہیں:

کروں مدح اہل دول رضاؔ، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

تلامذہ ہوں یا خلفا اور معاصرین علمائے اہل سنت ومشائخ عظام سب برابر ان سے رابطہ میں رہتے، مسائل کا حل دریافت کرتے، شرعی امور میں تبادلہ خیال کرتے، صدر الشریعہ ہوں، ملک العلماء ہوں، صدر الافاضل ہوں، محدث اعظم، حجۃ الاسلام ومفتی اعظم ہوں، مبلغ اسلام وشیر بیشۂ اہل سنت ہوں، مولانا برہان الحق جبل پوری ہوں یا سید سلیمان اشرف بہاری، سب امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے علمی فیضان سے مالا مال ہوئے اور ان کی تحقیقات علمیہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے ان ماہ ونجوم کو اپنی روشنیاں بکھیرنے کا موقع نہ دیا، ان کی شہرت ومقبولیت میں رخنہ اندازی کی؟-

گزشتہ ایک صدی کی تمام تر دینی وعلمی، تحقیقی واصلاحی، سماجی وملی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد کیا کوئی تجزیہ نگار یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ پوری ایک صدی میں سوائے شخصیات کے تعارف وتذکرے کے اور کوئی قابل ذکر سماجی وملی کارنامہ ہمارے ان علمائے اہل سنت اور اکابر ملت نے انجام نہ دیا- کیا تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، محدث اعظم ہند علامہ سید محمد کچھوچھوی، مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری، حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا بریلوی، مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی، شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی لکھنوی، مجاہد ملت، حافظ ملت، مجاہد دوراں علامہ عبدالعلی فاروقی، مفتی برہان الحق جبل پوری، شاہ انوار اللہ فاروقی، حاجی لعل محمد مدراسی، حضور اشرفی میاں علیہم الرحمۃ والرضوان وغیرہم اکابر دہر واعاظم زمانہ کی دینی ومذہبی، سماجی وسیاسی، اصلاحی وتبلیغی خدمات کو یک لخت بھلا دیا جائے؟، میدان تدریس ہو یا تصنیف وتالیف، تحقیق وتنقید ہو یا فتویٰ نویسی، سیاسیات وسماجیات، علم حدیث، فقہ، اصول، ادب، زبان، تاریخ، تصوف، سیرت، بے شمار میدانوں میں ان گنت علوم وفنون میں ان

علما ومشائخ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو ہر مشکل گھڑی میں قیادت وسیادت عطا کرنے والوں اور فتنوں کی سرکوبی کے لیے خون جگر بہانے والوں کو کیا کوئی مورخ ومحقق فراموش کر سکتا ہے؟ کیا تحریک شدھی کے حوالے سے انجام دی جانے والی قربانیاں قلم زد کر دی جائیں؟ پھر کیوں لکھا جا رہا ہے کہ گزشتہ ایک صدی میں ان حضرات نے صرف شخصیات پر کام کیا ہے، کیا سچائی یہی ہے؟ کیا بریلی، بدایوں، کچھوچھہ، مارہرہ کے مسند نشینان خاموش تماشائی بنے ہوئے امت مسلمہ کی حالت زار پر آنسو بہا رہے تھے؟

مفتی احمد یار خاں نعیمی، علامہ مشتاق احمد نظامی، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، مفتی رفاقت حسین کان پوری، علامہ ارشد القادری، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، مفتی جلال الدین امجدی وغیرہا اکابر نے تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، صحافت وادب، مناظرہ ومباحثہ اور تدریس وشخصیت سازی میں کوئی قابل تقلید کارنامہ انجام نہ دیا؟ یا موجودہ دہائی اور گزشتہ دہائیوں میں جن محققین نے امام احمد رضا کے فکر وفن، تحقیق وخدمات جلیلہ کو موضوع تحقیق بنا کر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور امام احمد رضا کے افکار کو یونیورسٹی لیبل پر متعارف کرایا ہے، وہ سب نام ونمود اور دکھاوا ہے؟ اور ان محققین ومصنفین نے امام احمد رضا کے علاوہ کسی اور موضوع کو ہاتھ نہیں لگایا؟ کیا رسائل وجرائد نے صدر الشریعہ، ملک العلماء، تاج الفحول، اشرفی میاں، مجاہد ملت، رئیس القلم، حافظ ملت وغیرہ پر خصوصی نمبرات نہ شائع کیے، یا ان کی تحقیقات پر بالکلیہ توجہ نہ دی؟

کیا ''امام احمد رضا اور تصوف، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت'' اور '' امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں'' کے مصنفین نے ''تدوین قرآن، تنقید معجزات کا علمی محاسبہ'' اور '' المدیح النبوی، علامہ فضل حق خیرآبادی، علمائے اہل کی قیادت و بصیرت'' جیسی کتابیں نہ تحریر کیں؟ تو پھر رضویات پر لکھنے والے قلم کاروں پر نشتر زنی کیوں کی جاتی ہے کہ انھیں رضویات کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا، کیا رضویات پر لکھنے والے دوسرے موضوعات سے یکسر بے اعتنائی برت رہے ہیں؟ اگر وہ اتنے ہی تنگ نظر ہیں تو انھیں رضویات پر لکھنے کا کوئی حق نہیں ہے-

ہم قطعاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ رضویات نے دوسرے موضوعات کے حق مار دیا ہے، یا رضویات

پر تحریری سرمایہ پیش کرنے والوں نے دوسرے موضوعات سے پورے طور پر قطع تعلق اختیار کرلیا ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ ان ارباب قلم نے بے شمار موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور خوب خوب لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں۔ پاکستان میں علامہ عبدالحکیم شرف قادری، علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری، علامہ شمس الحق شمس بریلوی، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی، پروفیسر مجید اللہ قادری، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، صاحب زادہ علامہ سید وجاہت رسول قادری، حکیم موسیٰ امرتسری، مفتی عبد القیوم ہزاروی، پروفیسر اشفاق جلالی، اور مولانا منظور احمد سعیدی، مصر میں پروفیسر حازم محفوظ، پروفیسر مجیب مصری وغیرہ اور ہندوستان میں مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ، تاج الشریعہ علامہ ازہری میاں، علامہ سید محمد مدنی میاں، علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ یٰسین اختر مصباحی، علامہ عبدالمبین نعمانی، علامہ افتخار احمد قادری، علامہ بدرالقادری، ڈاکٹر سید شمیم گوہر، مفتی محمد نظام الدین رضوی، مفتی محمد عیسیٰ رضوی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر صابر سنبھلی، مولانا وارث جمال قادری، ڈاکٹر ارشاد ساحل شہ سرامی، مولانا محمد حنیف قادری رضوی، مولانا کوثر امام قادری، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ڈاکٹر حسن رضا، ڈاکٹر سراج بستوی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ڈاکٹر غلام زرقانی، ڈاکٹر امجد رضا امجد، ڈاکٹر شمس مصباحی، ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی وغیرہم۔ یہ وہ نام ہیں جنھوں نے رضویات کو بھی مالا مال کیا ہے اور دیگر موضوعات کا بھی احاطہ کیا ہے۔ آج بھی منظر اسلام، مظہر اسلام، نوریہ رضویہ، جامعہ اشرفیہ، دارالعلوم امجدیہ، شمس العلوم، جامعہ اسلامیہ، فیض الرسول، وارثیہ، جامعۃ الرضا، نظام الدین اولیا، وغیرہ جتنے دارالعلوم اور مدارس اہل سنت ہندوستان بھر میں اپنا وجود مستحکم کررہے ہیں سب امام احمد رضا کو مختلف علوم وفنون کے لیے اتھاریٹی اور ان کے اقوال ونظریات وتحقیقات کو حرف آخر تسلیم کرتے ہیں، ہمارے اساتذہ نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی ہے، ہمارے اکابر کا بھی یہی موقف رہا ہے۔ اس سلسلے میں حضور محدث اعظم ہند ودیگر اکابر کے بے شمار اقوال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ استاذ گرامی محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی فرماتے ہیں: ''امام احمد رضا کا ایک ایک لفظ حجت اور دلیل ہے۔''

اب دور جدید کے محققین امام احمد رضا کی استدلال کردہ احادیث کو موضوع قرار دینے پر

کیوں تلے ہوئے ہیں؟ کیا امام احمد رضا کا علم حدیث، علم اسماء الرجال اس قدر پھسپھسا تھا کہ انہیں ان حدیثوں کے من گھڑت ہونے کا ادراک نہ کراسکا؟ تحقیق کے نام پر یہ بے راہ روی کیوں عام کی جارہی ہے، کیا اجتہاد کے نام پر مسلمات کو رد کیا جاسکتا ہے؟۔

ماہ نامہ تحفۂ حنفیہ، الفقیہ امرت سر، دبدبۂ سکندری رام پور، المیزان ممبئی، پاسبان الہ آباد، الرضا بریلی، السواد الاعظم، مراد آباد، رفاقت پٹنہ، جام نور، کلکتہ ودیگر رسالوں نے رضویات کے ساتھ بے شمار ساجی، معاشی، دینی، علمی، اصلاحی موضوعات پر بھرپور مواد پیش کیا، کیا ان جریدوں کی صحافتی واشاعتی خدمات کو سرد خانے میں ڈال دیا جائے؟۔

میدان تدریس وخطابت میں اپنی صلاحیتوں کے جلوے بکھیرنے والے مدرسین اساتذہ وخطبا نے پوری ایک صدی میں کچھ نہیں کیا؟ یہ درست ہے کہ بہتی گنگا میں موقع غنیمت جان کر بہت سے ہاتھ دھونے کو تیار ہوجاتے ہیں اور ایسا ہر میدان میں ہوا بھی، تدریس کے نام پر تصنیف کے نام پر، تقریر کے نام پر تبلیغ کے نام پر، مدارس ومساجد کی نظامت وسربراہی کے نام پر چند یار لوگوں نے ضرور ہاتھ کی صفائی دکھلائی لیکن کیا خلوص نیت اور جذبۂ دروں کے ساتھ کام کرنے والوں کی تعداد ایک دو فیصد بھی نہیں تھی کہ سب پر حکم کلی جاری کردیا جائے، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی زیادتی، احسان فراموشی، اسلاف بیزاری اور بے بنیاد دانش وری اور زرد صحافت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

نہ تو امام احمد رضا کی ذات نے کسی ذات مستحق کی وقعت وشہرت میں رخنہ ڈالا، نہ ہی رضویات نے دوسرے موضوعات کی حق تلفی کی اور نہ ہی رضویات پر لکھنے والے قلم کاروں نے اپنی قلم رو کو اتنا تنگ کردیا ہے کہ اس میں دوسرے عنوانات ومباحث کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہو۔ مرکزی مجلس رضا لاہور، تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، رضا اکیڈمی، برطانیہ وممبئی، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، المجمع الاسلامی مبارک پور، برکات رضا، پور بندر، امام احمد رضا کے نام پر قائم ہونے والے یہ نشریاتی ادارے کیا صرف رضویات پر کتابیں چھاپ رہے ہیں؟ سچ ہے کہ ان اداروں نے سیکڑوں کی تعداد میں حدیث، فقہ، تفسیر وتصوف پر کتابیں شائع کی ہیں، ہندوستان کے مختلف شہروں میں امام احمد رضا کے خلفا وتلامذہ کے ذریعہ منعقد کی جانے والی سنی

کانفرنسیں کیا صرف امام احمد رضا کا نام عام کررہی تھیں، کیا ان میں امت مسلمہ کی حالت زار، معاشی پس ماندگی، علمی تنزلی، سماجی ومعاشرتی زبوں حالی پر بحث ومذاکرہ نہ ہوا تھا، یا ان تلخ وپیچیدہ مسائل کے حل کے لیے کوئی مضبوط لائحہ عمل تیار نہ کیا گیا؟ مبلغ اسلام، رئیس القلم، شاہ احمد نورانی وغیرہ قائدین نے دنیا بھر کا دورہ کرکے مذہب وسنیت کی اشاعت کے لیے بے پناہ کوششیں نہیں کیں؟ -کی ہیں اور ضرور کی ہیں لیکن ہمارے چند اپنے تنگ نظر تجزیہ نگاروں کو یہ سب دکھائی کب دیتا ہے؟ -اگر سچائی اس کے برخلاف ہے اور یقیناً ہے تو پھر کیوں پوری ایک صدی کی دینی خدمات کو دانستہ تاریخ کے صفحات سے کھرچ کر نکالا جارہا ہے۔

اگر ایسا آزادیٔ اظہار رائے اور صحافتی اصول کے نام پر کیا جارہا ہے اور آزادیٔ اظہار رائے کا یہی مطلب ہے تو پھر ہمیں تسلیمہ نسرین، سلمان رشدی، پروین توگڑیا اور اشوک سنگھل کو کوسنے کا کوئی حق نہیں ہے- اس لیے ہم کہے دیتے ہیں تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے جو جس میدان میں کام کررہا ہے کرنے دیا جائے، اپنے لیے اپنی پیش کردہ تجاویز وآرا کی روشنی میں دوسرا میدان علم وتحقیق منتخب کیا جائے، صرف تجاویز وآرا پیش کرنے سے کوئی کام بننے سے رہا۔ ہمارے جن اکابر نے دین وملت کا کام کیا ہے اور جس میدان میں جو بھی خدمات انجام دی ہیں یقیناً انھیں سراہنے اور تاریخ کے صفحات میں انھیں محفوظ مقام دینے کی ذمہ داری ہمارے سر باقی رہے گی- ہم نکتہ چینی سے باز آکر اپنے اپنے حصے کا چراغ جلانے کی کوشش کریں، ہمارے جن اکابر واسلاف کی دینی وعلمی، ملی وسماجی خدمات اب تک پردۂ خفا میں ہیں اور کرم خوردہ اوراق میں بکھری ہوئی ہیں انھیں انتہائی سلیقہ مندی اور کامل مہارت کے ساتھ جدید اسلوب میں دنیا کے سامنے لانے کی ہمت کریں- السعی منا و الشکر عند الله.-

●●

شی کے مراتب خمسہ کی تحقیق

فقیہ اسلام، مجدد اعظم، امام اہل سنت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز نے ۱۳۲۷ھ میں وضو اور غسل کی مقدار کے تعلق سے ایک استفتا کے جواب میں مستقل فتوی ایک رسالہ ''بارق النور فی مقادیر ماء الطهور'' کے نام سے دیا، جو فتاوی رضویہ مترجم مطبوعہ ہند و پاک جلد اول، ص ۵۷۹ تا ۷۰۹ پر موجود ہے، جس میں ایک ضمنی رسالہ ''برکات السماء فی حکم اسراف الماء'' بھی شامل ہے- کافی دلائل وشواہد کی روشنی میں پیش فرمایا ہے، جس کے مطالعہ سے یقیناً ہر موافق ومخالف آپ کے فقہی تبحر کا قائل ہو جائے گا جیسا کہ اقبال نے کہا: ''ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع وذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا-''

شاہ معین الدین ندوی، دار المصنفین اعظم گڑھ کا اعتراف حقیقت بھی ملاحظہ کرلیں:

''مولانا احمد رضا صاحب مرحوم صاحب علم ونظر علمائے مصنفین میں تھے، دینی علوم خصوصاً فقہ وحدیث پر ان کی گہری نظر تھی، مولانا نے جس وقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علما کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، قرآنی استحضار، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے عالمانہ محققانہ فتاوی مخالف وموافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں-''

مولانا خادم حسین فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے ایک مقالہ بہ عنوان ''امام احمد رضا بریلوی بحیثیت مرجع العلماء'' تحریر فرمایا اس میں انھوں نے فتاوی رضویہ کی نو جلدوں کا مطالعہ پیش کیا ہے جس کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پنچانوے استفتا ہیں، جن میں سے تین ہزار چونتیس عوام الناس کے استفتا ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ استفتا علما اور دانشوروں کے پیش کردہ ہیں- مطلب یہ ہے کہ استفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علما اور دانشوروں کی ہے۔ فتاویٰ

رضویہ مترجم جلد اول کے ابتدا میں یہ مقالہ پڑھا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلی فتویٰ میں امام احمد رضا قدس سرہ نے اشیاء کے مراتبِ خمسہ کو تفصیل کے ساتھ مثالوں سے بیان فرمایا ہے اور خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے، چوں کہ موجودہ دور اپنی غیر معمولی ترقی کی وجہ سے ایک ممتاز دور کہا جاتا ہے اور مشرقی معاشرہ پوری طرح مغربیت زدہ ہوتا جارہا ہے جس میں مسلمانوں کی نسل نو بری طرح ملوث ہے، اور صارفیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے اپنے آپ کو بچانا ان کے لیے مشکل ہورہا ہے، اس لیے اس مسئلہ کی اہمیت دو چند ہوگئی، امام احمد رضا قادری نے آج سے قریب ایک سو چار سال پیشتر اس مسئلہ کو بیان کیا تھا اور شی کے مراتب خمسہ (ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول) کو مثالوں سے واضح فرمایا تھا آپ بھی پڑھیں، نسل نو کو مطالعہ کی دعوت دیں، ان شاء اللہ عزوجل زندگی میں ضرور انقلاب پیدا ہوگا، فرماتے ہیں:

''اقول وبا لله التوفيق مراتب پانچ ہیں: ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول۔

ضرورت یہ کہ اس کے بغیر بسر نہ ہو سکے جیسے مکان میں وہ سوراخ جس میں آدمی بزور سما سکے، کھانے میں چند چھوٹے چھوٹے لقمے کہ سد رمق کریں، ادائے فرائض کی طاقت دیں، لباس میں اتنا ٹکڑا کہ ستر عورت کرے۔

حاجت یہ کہ بے اس کے ضرر ہو جیسے مکان اتنا کہ گرمی جاڑے برسات کی تکلیفوں سے بچا سکے، کھانا اتنا جس سے ادائے واجبات وسنن کی قوت مل سکے، کپڑا اتنا کہ جاڑا روکے، اتنا بدن ڈھکے جس کا کھولنا نماز ومجمعِ ناس میں خلاف ادب وتہذیب ہے مثلاً خالی پاجامے سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

ابو داؤد اور حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس امر سے منع فرمایا کہ آدمی صرف شلوار پہن کر نماز پڑھے اور اس پر چادر نہ ہو۔

(سنن ابو داؤد: ص:۹۳، ج:۱، طبع: لاہور)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی بے چادر اوڑھے صرف پاجامے میں نماز پڑھے، مسند احمد وصحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ

وسلم نے فرمایا: **لا يصلين احدكم في الثوب الواحد ليس على عاتقيه من شي.** تم میں سے کوئی شخص ایسے کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ اس کے کاندھوں پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ ہرگز کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ دونوں شانے کھلے ہوں۔ **ولفظ البخاری عاتقة بالافراد.**

فتاوی خلاصہ میں ہے: **لو صلى مع السراويل والقميص عنده يكره.** اگر صرف شلوار قمیص میں نماز پڑھی تو ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ (ص:۵۸، ج:۱) یوں ہی تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالہ مردود الشہادہ خفیف الحرکات ہے۔ یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ آج کل اکثر لوگوں میں یہ بے پرواہی پھیلی ہے خصوصاً وہ جن کے مکان سر راہ ہیں۔

فتاوی عالم گیریہ میں ہے: **لا تقبل شهادة من يمشي في الطريق بسراويل وحده ليس عليه غيره كذا في النهاية.** جو شخص راستوں میں صرف شلوار پہن کر چلتا ہو اس کی شہادت قبول نہیں۔ (فتاوی ہندیہ، ص:۴۶۹، ج:۳)

منفعت یہ کہ بغیر اس کے ضرر تو موجود نہیں مگر اس کا ہونا اصل مقصود میں نافع ومفید ہے جیسے مکان میں بلندی ووسعت، کھانے میں سرکہ، چٹنی، سیری، لباس، نماز میں عمامہ۔

زینت یہ کہ مقصود سے محض بالائی زاید بات ہے جس سے ایک معمولی افزائش حسن وخوش نمائی کے سوا اور نفع وتائید غرض نہیں جیسے مکان کے درون میں محرابیں، کھانے میں رنگتیں کہ قورمہ خوب سرخ ہو، فرنی نہایت سفید برّاق ہو، کپڑے میں بخیہ باریک ہو، قطع میں کج نہ ہو۔

فضول یہ کہ بے منفعت چیز میں حد سے زیادہ توسع وتدقیق جیسے مکان میں سونے چاندی کے کلس، دیواروں پر قیمتی غلاف، کھانے کھائے پر میوے شیرنیاں، پائچے گٹوں سے نیچے۔

(فتاوی رضویہ مترجم: پور بندر گجرات، ص۶۲۷ تا ۶۲۹ ج۱)

آگے کے سطور میں ان پانچوں مراتب کا حکم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اول مرتبہ فرض میں ہے، دوم واجب وسنن موکدہ، سوم چہارم سنن غیر موکدہ سے مستحباب وآدب زائد تک پنجم باختلاف مراتب مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی سے حرام تک۔''

آگے ایک حوالہ پیش فرماتے ہیں:

''محقق علی الاطلاق نے ''فتح'' میں، سید حموی نے ''غمز'' میں کہا کہ قاعدہ: الضرر یزال، یہاں پانچ مراتب ہیں، ضرورت، حاجت، منفعت، زینت اور فضول، ضرورت یہ ہے کہ اگر وہ شخص اس کو استعمال نہ کرے تو مر جائے گا یا قریب المرگ ہو جائے گا، ایسی صورت میں حرام کا استعمال مباح ہو جاتا ہے اور حاجت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بھوکا ہے، اب اگر اس کو کھانے کے لیے نہ ملے تو وہ ہلاک تو نہ ہوگا لیکن اس کو سخت مشقت اٹھانی پڑے گی، اس میں حرام مباح نہ ہوگا، البتہ روزہ توڑنے کی اجازت ہے، اور منفعت کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کو گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت تر کھانا پسند ہو، زینت کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسی شخص کو حلوہ اور میٹھی چیزوں کی خواہش ہو اور فضول کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص حرام اور مشتبہ چیزوں کے استعمال کی خواہش کرے، اھ''۔ (غمز عیون البصائر: ص۱۱۹، ج۱، کراچی)

محترم قارئین! آپ نے غور فرمایا کہ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زینت کی مثال میں کوئی حلوہ یا میٹھی چیزوں کے استعمال کی خواہش کا تذکرہ فرمایا یعنی اگر کوئی ایسا کرتا ہے، کوئی میٹھی چیز استعمال میں لاتا ہے تو وہ زینت کے کھانے میں جائے گا حالاں کہ حقیقت حال اس کے برخلاف ہے اس لیے امام احمد رضا قادری جیسا محقق اور دور بین فقیہ اس مسئلہ اور محقق علیہ الرحمہ کی بیان کردہ مثال پر تنقید کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''اقـــــول محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ہی موضوع پر کلام کیا ہے، اور تعریفات کی بجائے مثالوں پر اکتفا کیا ہے، سامع کی فہم سپرد کرتے ہوئے اب حلوہ اور مٹھاس کو زینت قرار دینا قابل غور ہے، کیوں کہ حلوہ میں جو منافع ہیں وہ دوسری اشیا میں نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حلوہ اور شہد کو پسند فرماتے تھے، اس کو اصحاب ستہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ایسی چیز کو پسند فرماتے جس میں نفع نہ ہو، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زہرۃ الحیوۃ الدنیا سے منع فرمایا تھا، تو اگر صرف یہ زینت ہوتی تو آپ اس کو پسند نہ فرماتے، اس ناچیز نے جو کچھ بیان کیا وہ زیادہ مستحکم ہے۔'' (فتاوی رضویہ مترجم: جلد اول، ص:۶۳۰)

واہ سبحان اللہ! کیا خوب! امام احمد رضا کی فکری وفقہی تنقیدات میں مذکورہ مسئلہ کو بھی پیش

کیا جا سکتا ہے، صرف مکان کی مثال کو لیں۔

ضرورت: -مکان میں وہ سوراخ جس میں آدمی بزور سما سکے۔

حاجت: -مکان اتنا کہ گرمی، جاڑے اور برسات کی تکلیفوں سے بچا سکے۔

منفعت: -مکان میں بلندی ووسعت۔

زینت: -مکان کے درون میں محرابیں۔

فضول: -مکان میں سونے چاندی کے کلس۔

اب ایک بار پھر ان پانچوں مراتب کے احکامات ذہن نشین کر لیں:

''اول مرتبہ فرض میں ہے، دوم واجب وسنن مؤکدہ، سوم چہارم سنن غیر موکدہ سے مستحبات وآداب زائد تک، پنجم باختلاف مراتب مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی سے حرام تک۔

(فتاوی رضویہ مترجم: ص:۲۹، ج:۱)

امام احمد رضا قادری کی فتوی نویسی کی ایک ممتاز خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی سوال کو تشنہ نہیں چھوڑتے اور مسئلہ کا شافی حل پیش کرتے ہیں، اس کے جملہ جزئیات پر سیر حاصل بحث کے بعد خلاصہ پیش کرتے ہیں جس میں مسائل کی توضیح وتنقیح بھی ہوتی ہے اور اصل سوال کا مکمل جواب بھی اور مسئلے کے ممکن گوشوں کی وضاحت بھی، تا کہ دوبارہ سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے، مذکورہ بالا مسئلہ کو مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

شی کے مراتب خمسہ کو موضوع تحریر بنانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان پر غور کریں اور ان کے احکامات سے آگاہ ہو کر عمل کی بھرپور کوشش کریں جو ہماری دنیوی زندگی کے لیے نفع بخش ہے اور آخرت میں بھی کامیابی وسرفرازی کی ضمانت ہے۔

●●

مسئلہ اسراف و تبذیر: تحقیقات رضویہ کی روشنی میں

مسئلہ اسراف وتبذیر عالمی سطح پر اُمت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج بھرا مسئلہ ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے زندگی کی کئی جہات میں پیش قدمی کرنے میں سدراہ ثابت ہورہا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس سے نجات کی کوئی صورت دور دور تک دکھائی نہیں پڑتی، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس خاص مسئلہ کو اس کے تمام گوشوں کے ساتھ واضح کیا جائے اور اس کے مالہ و ماعلیہ کے اعتبار سے امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تحقیقات جلیلہ کی روشنی میں گفتگو کی گنجائش نکالی جائے تا کہ ذرہ بھر اشکال وایراد باقی نہ رہے اور مسئلہ کی شفافیت سے نگاہیں خیرہ ہوں۔

فقیہ اسلام، مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۷ھ میں طہارت میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنے سے متعلق ایک خاص سوال کے جواب میں ایک تفصیلی و تحقیقی رسالہ ''برکات السماء فی حکم اسراف الماء'' کے نام سے تحریر فرمایا جو فتاویٰ رضویہ مترجم مطبوعہ گجرات ص:۶۵۱ تا ۷۶۵، ج:۱ پر موجود ہے-۱۱۵ صفحات پر مشتمل اس رسالے میں قرآنی آیات، نبوی احادیث وآثار، اقوال ائمہ وفقہا، تصریحات شارحین احادیث اور مستند و معروف کتب لغات سے ۲۹۰ کے قریب حوالہ جات کی کہکشاں جگمگا رہی ہے جس میں مذکورہ مسئلہ کا شافی وکافی حل پیش کرنے کے ساتھ عنوان مقالہ کے تمام گوشوں پر تحقیقی انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مسئلہ اسراف وتبذیر کا عمومی اور خصوصی جائزہ لیا گیا ہے جو اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے شاید کہ کہیں اور ملے، اس لیے راقم اس پوری بحث کا خلاصہ پیش کررہا ہے- ملاحظہ فرمائیں-

امام احمد رضا قادری نے اولاً اسراف کی کل گیارہ صورتیں نکالی ہیں اور پھر دلائل وشواہد ونظائر کی روشنی میں ان پر بحث وتمحیص کے دروا کیے ہیں، وہ گیارہ صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱)-غیر حق میں صرف کرنا (۲)-حکم الٰہی کی حد سے بڑھنا (۳)-ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرع مطہر یا مروت کے خلاف ہو (۴)-طاعت الٰہی کے غیر میں اٹھانا (۵)-حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا (۶)-غیر طاعت میں یا بلا حاجت خرچ کرنا (۷)-دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی (۸)-ذلیل غرض میں کثیر مال اٹھا دینا (۹)-حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا (۱۰)-لائق و پسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اٹھا دینا (۱۱)-بے فائدہ خرچ کرنا-

امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

''اقول، اسراف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے-

(۱)-غیر حق میں صرف کرنا، یہ تفسیر سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی - فریابی، سعید بن منصور، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بخاری نے ادب المفرد میں، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابو حاتم طبرانی، حاکم بافادہ تصحیح، بیہقی نے شعب الایمان میں اور یہ لفظ ابن جریر کے ہیں، ان تمام حضرات نے اللہ تعالیٰ کے قول: **و لاتبذر تبذیرا** کی تفسیر میں فرمایا کہ: **التبذیر فی غیر الحق وھو الاسراف**. یعنی تبذیر ناحق خرچ کو کہتے ہیں، یہی اسراف ہے-

(تفسیر ابن جریر، مصری ص:۵۰ ج:۱۵)

اور اسی کے قریب ہے کہ وہ تاج العروس میں بعض سے نقل کیا: **وضع الشی فی غیر موضعہ** یعنی بے جا خرچ کرنا -ابن ابی حاتم نے امام مجاہد تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: **لو انفقت مثل ابی قبیس ذھبا فی طاعۃ اللہ لم یکن اسرافاً ولو انفقت صاعا فی معصیۃ اللہ کان اسرافا**. (ترجمہ) اگر تو اللہ کی فرماں برداری میں کوہ ابوقبیس کے برابر سونا خرچ کردے تو بھی اسراف نہ ہوگا اور اگر تو ایک صاع بھی اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرے تو اسراف ہوگا- (تفسیر کبیر، ص:۲۱۴، ج:۱۳)

امام احمد رضا نے جب اس مسئلہ کی ابتدا کی تو تنبیہ ۶ کے تحت فرمایا:

''اسراف بلاشبہہ ممنوع و ناجائز ہے، **قال اللہ تعالیٰ: و لا تعسرفوا انہ لایحب المسرفین** (بے جا خرچ نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں

رکھتا-) قال الله تعالیٰ: ولاتبذرتبذیرا، ان المبذرین کانو اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفورا. مال بے جانہ اڑا، بے شک بے جا مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے-(القرآن الکریم)

اسراف کی وجہ اول بیان کرنے کے بعد" حاتم" کی کثرت داد و دہش کے تعلق سے ایک مکالمہ پیش فرمایا، یہ وہی" حاتم" ہے جس کا نام سخاوت میں ضرب المثل ہے، فرماتے ہیں:

"کسی نے حاتم کی کثرت داد و دہش پر کہا: لا خیر فی سرف، اسراف میں خیر نہیں، اس نے جواب دیا: لاسرف فی خیر، خیر میں اسراف نہیں-

"اقول حاتم کا مقصود تو خدا نہ تھا، نام تھا کما نص علیہ فی الحدیث، تو اس کی ساری داد و دہش اسراف ہی تھی مگر سخائے خیر میں بھی شرع مطہر اعتدال کا حکم فرماتی ہے، قال الله تعالیٰ: ولاتجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا (اور تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ کر نہ رکھ اور نہ اس کو پوری طرح کھول دے ورنہ تو ملامت زدہ، حسرت زدہ ہو کر بیٹھ رہے گا-)"(فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۰، ج:۱)

آگے کی سطور میں بھی آیات قرآنیہ سے مسئلۂ اعتدال کو مبرہن کیا ہے اور غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکمِ تصدق پر حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم کے جذبہ مسابقت والے واقعہ کو بطور شاہد پیش کر کے امام نے لکھا: "اور تحقیق یہ ہے کہ عام کے لیے وہی حکم میانہ روی ہے اور صدق توکل و کمال تجمل والوں کی شان بڑی ہے-"

اور پھر اسراف کی دوسری صورت کا تذکرہ فرمایا:

(۲)-حکم الٰہی کی حد سے بڑھنا، یہ تفسیر ایاس بن معویہ بن قرہ تابعی ابن تابعی ابن صحابی کی ہے ابن جریر اور ابوالشیخ نے سفیان بن حسین سے ابو بشر سے روایت کی کہ لوگوں نے ایاس بن معویہ رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا، اور ان سے دریافت کیا کہ اسراف کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ماتجاوزت به امر الله فهوا اسراف: وہ خرچ جس میں تم اللہ کے حکم سے تجاوز کر وہ وہ اسراف ہے-(ابن جریر، مصر، ص۴۲، ج۸)

اور اسی کی مثل اہل لغت سے ابن الاعرابی کی تفسیر کما سیاتی من التفسیر

الکبیر. تعریفات السید میں ہے: الاسراف تجاوز الحد فی النفقة (نفقہ میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے)-"(فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۱، ۶۹۲، ج:۱)

اور اسراف کی تیسری صورت کو یوں واضح فرمایا ساتھ ہی حکم بھی بیان کیا، فرماتے ہیں:

(۳)-ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرع مطہر یا مروت کے خلاف ہو، اول حرام ہے اور ثانی مکروہ تنزیہی-طریقہ محمدیہ میں ہے: الاسراف والتبذیر ملکة بذل المال حیث یجب امساکه بحکم الشرع أوا لمروة وهی رغبة صادقة للنفس فی الافادة بقدر مایمکن وهما فی مخالفة الشرع حرامان وفی مخالفة المروة مکرومان تنزیهاً. (ترجمہ) اسراف اور تبذیر مال کو ایسے مقام پر خرچ کرنے کا ملک ہے جہاں اس کو بحکم شرع یا بحکم مروۃ روکے رکھنا واجب ہے، اور مروۃ یہ رغبت صادقہ ہے نفس کی امکانی حد تک کسی کو فائدہ پہنچانے کے لیے اور یہ دونوں چیزیں مخالفت شرع میں حرام ہیں اور مخالفت مروۃ میں مکروہ تنزیہی ہیں-(طریقہ محمدیہ ص:۲۸، ج:۲)

انھوں نے صورت مذکورہ کو دلائل سے واضح کرنے کے بعد بطور خلاصہ تحریر فرمایا:

"اقول وبالله التوفیق آدمی کے پاس جو مال زائد بچا ہے اور اس نے ایک فضول کام میں اٹھا دیا جیسے بے مصلحت شرعی مکان کی زینت و آرائش میں مبالغہ، اس سے اسے تو کوئی نفع ہوا نہیں اور اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو دیتا تو ان کو کیسا نفع پہنچتا تو اس حرکت سے ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی بے معنی خواہش کو ان کی حاجت پر مقدم رکھا اور یہ خلاف مروت ہے-"

(فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۳، ج:۱)

چوتھی صورت و وجہ کو یوں بیان فرمایا:

(۴)-طاعت الٰہی کے غیر میں اٹھانا، قاموس میں ہے: الاسراف التبذیر اوما انفق فی غیر طاعة، اسراف فضول خرچی ہے یا غیر طاعت میں خرچ کرنا ہے-

(قاموس المحیط ص:۱۵۶، ج:۳)

ردالمحتار میں اسی کی نقل پر اقتصار فرمایا-اقول ظاہر ہے کہ مباحات نہ طاعت ہیں نہ ان میں خرچ اسراف مگر یہ کہ غیر طاعت سے خلاف طاعت مراد لیں تو مثل تفسیر دوم ہوگی-"

(فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۳، ج:۱)

اور اسراف کی پانچویں صورت اس طرح واضح کی:

(۵)-حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا، **کما تقدم فی صدر البحث عن الحلیه و البحر و تبعهما العلامة الشامی.**

اور چھٹی صورت کی وضاحت میں تحریر فرماتے ہیں:

(۶)-غیر طاعت میں یا بلا حاجت خرچ کرنا، نہایہ اثیر و مجمع بحار الانوار میں ہے: **الاسراف و التبذیر فی النفقة لغیر حاجة او فی غیر طاعة الله تعالیٰ،** اسراف اور تبذیر بغیر ضرورت خرچ یا غیر طاعت خداوندی میں خرچ -

ساتویں صورت میں رقم طراز ہیں:

(۷)-دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی، تفسیر ابن جریر میں ہے: **الاسراف فی کلام العرب الاخطاء باصابة الحق فی العطیة اما بتجاوزه حده فی الزیادة و اما بتقصیر عن حده الواجب،** کلام عرب میں اسراف کے معنی عطیہ دینے میں حق کو چھوڑ دینے کے ہیں یا حد سے تجاوز کرنے میں یا حد واجب سے تقصیر کرنے میں-"

آگے مزید ارقام فرماتے ہیں: "**اقول** یہ عطا کے ساتھ خاص ہے اور اسراف کچھ لینے دینے میں ہی نہیں، اپنے خرچ کرنے میں بھی ہے-" (ص:۶۹۵، ج:۱)

آٹھویں کے ذیل میں فرماتے ہیں:

(۸)-ذلیل غرض میں کثیر مال اٹھا دینا- تعریفات السید میں ہے: **الاسراف انفاق المال الکثیر فی الغرض الخسیس.** اسراف مال کثیر کا گھٹیا مقصد کے لیے خرچ کرنا-

پھر اس تعریف پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"اقول یہ بھی جامع نہیں: بے غرض محض تھوڑا مال ضائع کر دینا بھی اسراف ہے-"

(فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۵، ج:۱)

خاص کھانے سے متعلق اسراف کی نویں صورت پیش کرتے ہیں:

(۹)-حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا، **حکاه السید قلیلا.**"

اور دسویں صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱۰)-لائق و پسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اٹھا دینا، تعریفات علامہ شریف میں ہے: **الاسراف صرف الشی فیما ینبغی زائد علی ما ینبغی بخلاف التبذیر فانه صرف الشی فیما لاینبغی.** اسراف جہاں خرچ کرنا مناسب ہو وہاں زائد خرچ کر دینا ہے اور تبذیر یہ ہے کہ جہاں خرچ کی ضرورت نہ ہو وہاں خرچ کیا جائے-(التعریفات ص۱۰)

آگے علامہ شریف کے ذریعہ بیان کردہ لفظ "**ینبغی**" اور "**لاینبغی**" پر وضاحت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"**اقول: ینبغی** کا اطلاق کم از کم مستحب پر آتا ہے اور اسراف مباح خالص میں اس سے بھی زیادہ ہے، مگر یہ کہ جو کچھ **لاینبغی** نہیں، سب کو **ینبغی** مان لیں کہ مباح کاموں کو بھی شامل ہو جائے **و لیس ببعید،** اور عبث محض اگر چہ بعض جگہ مباح بمعنی غیر ممنوع ہو مگر زیر **لاینبغی** داخل ہے تو اس میں جو کچھ اٹھے گا اس تفسیر پر داخل تبذیر ہوگا-"

گیارہویں اور آخری صورت کو یوں نمایاں فرمایا:

(۱۱)-بے فائدہ خرچ کرنا، قاموس میں ہے: **ذهب ماء الحوض سرفا فاض من نواحیه.** (جب حوض کا پانی اس کے کناروں سے بہہ نکلے تو کہتے ہیں کہ پانی سرف چلا گیا-)

تاج العروس میں ہے:: **قال شمر: سرف الماء ماذهب منه فی غیر سقی و لانفع یقال اروت البئر النخیل و ذهب بقیة الماء سرفاً.** (شمر نے کہا: سرف الماء کے معنی یہ ہیں کہ پانی سیرابی اور نفع کے بغیر ضائع ہو گیا، کہتے ہیں: **اروت البئر النخیل و ذهب بقیة الماء سرفا.**-)

تفسیر کبیر و تفسیر نیشاپوری میں ہے:

(ترجمہ) جاننا چاہئے کہ اہل لغت کا اسراف کی تفسیر میں اختلاف ہے اس میں دو قول ہیں، ابن العربی نے کہا کہ **السرف** جو حد ہے اس سے زیادہ خرچ کرنا شمر نے کہا کہ سرف سے مراد یہ ہے کہ مال کا منفعت کے غیر میں خرچ ہونا-"

اسراف کی گیارہ صورتیں بیان کر لینے کے بعد امام احمد رضا قادری قدس سرہ فیصلہ کن

انداز میں بڑی محقق بات تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے کلام کا ناظر خیال کر سکتا ہے کہ ان تمام تعریفات میں سب سے جامع ونافع وواضح تر تعریف اول ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ اس عبداللہ کی تعریف ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گھڑی فرماتے اور جو خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تمام جہان سے علم میں زائد ہے اور جو ابوحنیفہ جیسے امام الائمہ کا مورث علم ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم اجمعین۔'' (فتاویٰ رضویہ، ص:٦٩٦، ج:١)

امام احمد رضا قدس سرہ نے تبذیر کے باب میں علما کے دو قولوں کی وضاحت کی ہے۔

(١)۔تبذیر اور اسراف دونوں کے معنی ناحق صرف کرنا ہے، امام نے اسی کو صحیح کہا ہے اور یہی قول عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور عامہ صحابہ کا ہے پھر اس کے بعد امام احمد رضا نے ابن جریر، نہایہ اثیر، مختصر امام سیوطی، قاموس المحیط کی عبارتیں بطور حوالہ نقل کی ہیں۔

(٢)۔تبذیر واسراف میں فرق ہے، تبذیر خاص معاصی میں مال برباد کرنے کا نام ہے، دونوں میں فرق وتبائن کے حوالے سے بھی امام نے ابن جریر، تاج العروس اور عنایۃ القاضی وغیرہا کتابوں سے اقتباس پیش فرماتے ہیں۔

مسئلۂ اسراف وتبذیر سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات انیقہ سے استفادہ کرنا، اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا، اسراف وتبذیر کی قباحت وشناعت سے اپنا دامن پاک وصاف رکھنا اور اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ زندگی میں ہر عمل خیر کرنا امت مسلمہ کے لیے ہر فرد کے لیے لازمی وضروری ہے۔ اللہ عزوجل ہمیں سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

●●

اہل قلم کے تبصرے

نام کتاب: خانوادہ رضویہ کی شعری وادبی خدمات
مصنف: توفیق احسن برکاتی۔ صفحات: ٨٠
ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی۔ اشاعت: ٢٠٠٧ء
تبصرہ نگار: وصیل خان ٹانڈوی، (روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی)

امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (١٨٥٦ء-١٩٢١ء) کی ذات والا تبار مجمع الکمالات تھی، وہ بیک وقت قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ اور علم الکلام کے ہی ماہر نہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے علوم وفنون پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی، صرف ٦٥ سال کی مختصر سی زندگی میں تقریباً ایک ہزار کتابوں کی تصنیف، وہ بھی کسی ایک موضوع پر نہیں، مختلف علوم وفنون پر ایک ایسا حیرت انگیز اور عبقری کارنامہ ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ مادی طور پر انسانی زندگی کے لیے لکھنے، پڑھنے کے علاوہ اور بھی بہت سی مصروفیات ناگزیر ہوتی ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے نظام الاوقات کو انھوں نے کس طرح ترتیب دیا ہوگا، اگر ایک ایک لمحہ اور منٹ کا بھی حساب لگایا جائے تو فطری ضروریات کے وقت کی نفی کے بغیر اتنا بڑا کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ حیرت تو اس وقت انتہا پر پہنچ جاتی ہے کہ کوئی بھی تصنیف سرسری نہیں بلکہ انتہائی تحقیق اور گہرے مطالعے سے لبریز نظر آتی ہے، آپ کی علمی وتحقیقی کاوشات کی اہمیت وعمق کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک ان کے علمی تدبر وتبحر پر تقریباً آٹھ سو کے قریب کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن تشنگی باقی ہے۔

محترم محمد توفیق احسن برکاتی ایک جواں سال عالم دین ہیں، حال ہی میں ان کی ایک کتاب خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات کے موضوع پر منظر عام پر آئی ہے، اس مقالے میں انہوں نے خانوادۂ رضویہ کے جد امجد مولانا مفتی رضا علی خان بریلوی سے لے کر موجودہ جانشین علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری کی دینی وفقہی خدمات، تصلب فی الدین، تقویٰ وعبادت کے ساتھ شعر وادب میں ان کی گراں قدر خدمات پر سیر حاصل تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے، جس کی سب سے بڑی

خوبی یہ ہے کہ صرف اسّی (۸۰) صفحات کا یہ مقالہ کہیں سے بھی تشنگی کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ سمندر کو کوزے میں سمو دینے کا محاورہ شائد ایسے ہی مقالات وتصنیفات کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ پورے مقالے میں خانوادۂ رضویہ کے دس افراد کے علمی وروحانی کمالات کے علاوہ میدانِ شعروادب میں ان کی نمایاں خدمات کا تذکرہ نہایت موزوں اور پراثر اسلوب میں کیا گیا ہے، ساتھ ہی تمام شخصیات کے سوانحی خاکے، تعلیم وتربیت، بیعت واجازت وخلافت، دین متین کی سربلندی اور تحفظ ناموس رسالت کے لیے ان کے جذبہ سرفروشی، پاکیزگی ونجابت، علم دین کی اشاعت، درس وتدریس، تصنیفی وتالیفی خدمات پر مستند حوالوں کے ساتھ اس طرح روشنی بکھیری ہے کہ کوئی بھی گوشہ روشن ومنور ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ یقیناً حلقہ دانش وبینش اس کتاب کا ضرور خیر مقدم کریں گے۔ (روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی، جمعہ ٹائمز، ۱۲ر ستمبر ۲۰۰۸ء)

نام کتاب: فکر رضا کے جلوے۔ صفحات: ۲۰۴

مصنف: توفیق احسنؔ برکاتی۔ اشاعت: ۲۰۰۹ء

ناشر: رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نیرول، نئی ممبئی

مبصر: مفتی ولی محمد رضوی، سربراہ سنی تبلیغی جماعت، باسنی۔

بحمدہ تعالیٰ و بکرم حبیبہ الاعلیٰ جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم.

یہ دور رضا کا دور ہے، یہ ماحول رضا کا ماحول ہے، جدھر دیکھو، رضا کی تحقیقات وتصنیفات کے جلوے نظر آتے ہیں، ان کے حسن گفتار کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ ''فکر رضا کے جلوے'' مفتی توفیق احسنؔ برکاتی صاحب کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، اس میں افکار رضا کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں، ایک حسین گل دستہ ہے، جس میں مہکتے پھول ہیں اور ہر پھول اپنی مثال آپ ہے۔ مضامین کا یہ گل دستہ ایسا حسین اور خوب صورت ہے کہ ہر مضمون مکمل پڑھے بغیر کتاب بند کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ موصوف کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ظاہری جذبۂ خدمت نہیں ہے، بلکہ باطنی عزم وحوصلہ بھی ہے، مؤلف کی خواہش ہے کہ قاری فکر رضا میں رنگ جائے۔

فاضل گرامی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی تقدیم میں تو حوصلہ افزائی کے پھول برس رہے ہیں، خورد نوازی اور ہمت افزائی کے کلمات ہیں، ایسے ہمت افزا لوگ بیٹھنے والوں کو اٹھاتے ہیں

اور اٹھنے والوں کو کام کے لیے دوڑاتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کے لیے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے:

سخن سنجیدہ می گوید چیدہ چیدہ می گوید

غرض کہ محترم توفیق احسنؔ برکاتی نے کلام اعلیٰ حضرت، تصنیفات امام اہل سنت سے جواہر پاروں کا انتخاب کیا اور ان کے لیے حسین وجمیل تمہید باندھ کر قاری کے قلب وجگر میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تیز کرنے کی مساعی جمیلہ فرمائی ہے۔ عشق رسول کونین علیہ الصلاۃ والسلام کی چاشنی سے میٹھے میٹھے، پیارے پیارے بول بول کر ایک گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے، ہر مضمون میں امام احمد رضا کے عشق مصطفیٰ کا رنگ نظر آتا ہے اور اسے قاری کے دل میں اتارنے کا کامیاب جذبہ بھی نظر آتا ہے۔ موجودہ دور میں بعض حاسدین زمانہ کو رضا کی مقبولیت سے بے چینی ہو رہی ہے اور وہ ان سے عوام کا تعلق کم کرنا چاہتے ہیں، ضرورت ہے کہ ایسے وقت میں مفتی صاحب جیسے جیالے نوجوان آگے بڑھیں اور رضا کو جلوؤں سے عوام کو آشنا کریں، ان کی رفعت وعظمت کے گل کھلائیں اور تنگ نظر، کم ظرف طبائع والوں کو بتادیں کہ:

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

ہمارے فاضل مؤلف نے قرآن واحادیث اور اقوال ائمہ وصالحین سے گل چینی کی ہے اور اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات کو مدلل طور پر بیان کیا ہے اور ان کے مثالی کلام کی اہمیت ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، ہم اس خدمت پر انھیں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ مولائے کریم برکات قلم سے آپ کو مالا مال کرے اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم۔

نام کتاب: امام احمد رضا اور مدینہ منورہ

صفحات: ۶۴۔ اشاعت: ۲۰۰۹ء

ناشر: مکتبہ طیبہ، کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳

تبصرہ نگار: غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں۔

مفتی توفیق احسنؔ برکاتی نوجوان قلم کار ہیں، ان کا رہوار فکر تیز دوڑتا ہے، وہ نظم ونثر دونوں

میں اپنی فکر منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، متعدد کتابیں اور مقالات منظر عام پر ہیں، پیشِ تعارف کتاب کا موضوع ان کی فکری پاکیزگی کا آئینہ دار ہے، رضویات کے باب میں یہ کتاب خوب صورت اضافہ ہے، کل صفحات ۶۴ رہیں، تقریظ علامہ عبدالمبین نعمانی نے لکھی ہے موصوف ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''میں نے زیر نظر کتاب ''امام احمد رضا اور مدینہ منورہ'' کو سرسری دیکھا اور متاثر ہوا۔'' (ص:۵)

امام احمد رضا کا عشق رسول ایسا مشہور ہے کہ غیر بھی اس کے معترف ہیں، انھیں دیار محبوب اور ہجرت گاہ محبوب سے بھی لگاؤ تھا، جس کا اظہار ان کی نعتوں اور کتابوں میں واضح طور پر ہے، موصوف نے امام کے مدینہ منورہ سے تعلق و محبت پر بہت سے پہلو استدلال کے ساتھ جمع کیے ہیں اور فضائل مدینہ منورہ پر بھی دلائل سے کام لیا ہے۔ نیز اس بابت امام احمد رضا کی متعدد تصانیف کا پس منظر بھی واضح کر دیا ہے۔ انداز تحریر عام فہم ہے، طباعت بھی خوب صورت ہے۔

●●

منظوم تبصرے

بزرگ شاعر محترم **نازاں فیضی گیاوی**، کیوال بیگھہ، گیا، بہار۔

''فکر رضا کے جلوے'' میں ایمان کی خوشبو دیکھی ہے
ارمان کا رتبہ دیکھا ہے، احسان کی خوشبو دیکھی ہے
قدر و وفا کے جوہر کی گل ریز تمنا دیکھی ہے
سطر سطر میں رحمت کی نوخیز تمنا دیکھی ہے
جی بھر کے گل زار محبت کا بھی اس میں نظارا ہے
ہم جیسے بیمار محبت کی خاطر یہ سہارا ہے
پڑھ کر دل کے ارمانوں کو اک تسکین سی ملتی ہے
ذوق طلب کی کلی فروغ لطف وفا سے کھلتی ہے
رضاؔ کے پیمانے رقصاں ہیں لفظوں کے پیمانے میں
یاد کی شمعوں کو دیکھا ہے جھومتے اس میخانے میں

اللہ اللہ ! کیا رونق ہے اہل وفا کے خامہ میں
قوس قزح کا رنگ جو بھر دیتے ہیں خوشی کے نامہ میں
رہتا ہے ان کے پہلو میں رحمت حق کا ایک ہجوم
خوشیوں کے آفاق پہ جگمگ جگمگ کرتے ماہ و نجوم
نازاںؔ غم فردوس ہے ایسے شان مجدد کا یہ بھی
یوں ہی نہیں ہیں سارے اہل سنت آج ان کے حامی

●●

محترم ڈاکٹر **محمد حسین مشاہدؔ رضوی**، مالیگاؤں۔

''فکر رضا کے جلوے'' رسالہ ہے خوش نما
دل سے صدا نکلتی ہے توفیق حبذا
توفیق کو خدا نے وہ توفیق بخش دی
باغِ رضا میں لالہ خوش رنگ لگا دیا
اسلوب ہے سلیس و شگفتہ و دل نشیں
کرتا ہے جو بصیرت و فرحت سے آشنا
فکرِ رضا پہ کام کا انداز دیکھئے
موضوع ہر اک مقالے کا لاریب ہے نیا
کر ان پہ فضل خاص کی تنزیل یا خدا!
اور ان کے جملہ کاموں کی تکمیل یا خدا!

●●